ضبطِ ولادت
عقلی و شرعی حیثیت
محمد تقی عثمانی
کتب خانہ دار الاشاعت کراچی ۱

إِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ

ضبطِ ولادت

عقلی اور شرعی حیثیت سے

محمد تقی عثمانی
فاضل دار العلوم کراچی

اشاعت اول سنہ ۱۹۶۱ء ایک ہزار

قیمت مجلد ۱/۸

ناشر

دارالاشاعت مولوی مسافرخانہ کراچی

ملنے کا پتہ

ادارۂ اسلامیات نمبر ۱۹۰ انارکلی لاہور

ادارۃ المعارف ۸۷ گارڈن ایسٹ کراچی

(باب الاسلام پریس کراچی)

ترتیب

پیش لفظ ———— از محمد تقی عثمانی
مقدمہ ———— از پروفیسر خورشید احمد صاحب
ضبطِ ولادت کی شرعی حیثیت ———— از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
〃 عقلی اور اقتصادی حیثیت ———— از محمد تقی عثمانی

فہرست

حرفِ آغاز ۵

مقدمہ ۹

۱- شرعی حیثیت ۲۸

قطع نسل ۲۹

منع حمل ۳۱

خلاصہ ۳۸

۲- عقلی حیثیت ۴۳

جسمانی نقصانات ۴۹

خانگی تعلقات پر ضبطِ ولادت کا اثر ۵۴

اخلاقی نقصانات ۵۵

قومی اور اجتماعی نقصانات ۵۶

۳- ضبطِ ولادت معاشی نقطۂ نظر سے ۵۸

مالتھس کا مسئلہ آبادی ۵۸

مارشل کا نظریۂ آبادی ۶۹

پاکستان میں مسئلہ آبادی ۷۴

تجربہ کیا کہتا ہے؟ ۷۸

طبقات کا عدم توازن ۷۹

طلاق کی کثرت ۸۳

شرح پیدائش کی کمی ۸۳

جنسی بدچلنی اور امراض کی کثرت ۸۹

۵- حامیانِ ضبطِ ولادت کے دلائل ۹۱

شرعی دلائل ۹۲

عقلی دلائل ۱۰۲

۶- نعم البدل [illegible]

طرزِ معاشرت کی اصلاح ۱۰۹

اسلام کے اصولِ معاشرت ۱۱۲

پیداوار میں اضافہ ۱۱۴

حاصل شدہ وسائل کی حفاظت ۱۱۵

وسائلِ معاش کی صحیح تقسیم ۱۱۸

رقبہ اور آبادی میں توازن ۱۱۸

بسم اللہ

حرفِ آغاز

کچھ سالوں سے ضبطِ ولادت کی تحریک پاکستان میں زور پکڑ رہی ہے، اور اہلِ مغرب مشرقی ممالک میں اس تحریک کو برسرکار لانے کے لئے پوری کوشش کر رہے ہیں، جس کا معمولی سا اندازہ امریکی رسالہ "ٹائم" کی ایک اطلاع سے کیجئے، اس نے خبر دی ہے کہ امریکہ کی صدارتی کمیٹی نے جو جولائی ۱۹۵۹ء میں قایم کی گئی تھی پرزور سفارش کی ہے کہ امریکی امداد انہی ممالک کو دی جائے جو برتھ کنٹرول پر کاربند ہوں

"کل جدید لذیذ" کا دستور شروع سے چلا آتا ہے، ہمارے پاکستانی باشندوں کو بھی یہ کام کافی دلکش معلوم ہونے لگا ہے اور وہ اس کی دلکشی میں گراں نقصانات کو نظرانداز کر جاتے ہیں جو اس فعل کی بدولت رونما ہو سکتے ہیں بلکہ ہوتے ہیں، پھر غالباً انھیں اس تحریک کے اس خطرناک مقصد کا بھی علم نہیں ہے۔ جس کے زیرِ اثر مغربی قومیں مشرقی ممالک میں برتھ کنٹرول کا رواج دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں۔

مگر خدا کا شکر ہے کہ اب بھی کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو اس فعل کے صحت و سقم کا فیصلہ جذبات سے نہیں، دلائل سے کرنا چاہتے ہیں وہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ کام شرعی حیثیت سے کیا درجہ رکھتا ہے؟ اور عقلاً اس پر عمل کرنا چاہیئے

یا نہیں ؟

اس سلسلے میں میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کے پاس عرصۂ دراز سے سوالات کی بھرمار ہو رہی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس مسئلے کی شرعی اور عقلی حیثیت جاننے کے لئے بیتاب ہیں، والد ماجد مدظلہم کا بہت عرصے سے ارادہ تھا کہ اس موضوع پر کوئی جامع کتاب تحریر فرمائیں، لیکن ہجوم مشاغل کے سبب بہ نفس نفیس جلد یہ کام نہ کر سکے تو احقر کو حکم دیا۔ میں نے اپنی بساط کے موافق تعمیل کی۔ مگر شرعی حیثیت کا باب خود لکھنے کے باوجود اس پر کامل اطمینان نہ ہوا، اس لئے والد ماجد مدظلہم سے درخواست کی، آپ نے ہجوم کار کے باوجود یہ پورا باب خود ہی تحریر فرما دیا، جس سے بحمد اللہ اس کتاب کی افادی حیثیت بہت بڑھ گئی ہے۔

دیگر تمام ابواب کے اندر مواد فراہم کرنے میں جتنی محنت مجھ سے ہو سکی ہے۔ اسقدر کی ہے، اور بحمد اللہ اس بات کو ہر آن ملحوظ نظر رکھا ہے کہ مواد فراہم کرنے میں جانبداری نہ آنے پائے، ایک نظریہ قایم کر کے دلیلیں نہیں ڈھونڈیں دلیلیں دیکھکر نظریہ قایم کیا ہے،

یہی درخواست قارئین سے بھی ہے کہ اس کتاب کو اسی طرح پڑھیں جسطرح میں نے اس موضوع کی دوسری کتابیں پڑھی ہیں، یعنی کوئی ایک نظریہ قایم کر کے نہیں بلکہ بالکل غیر جانبداری کے ساتھ جیسے ایک حق کا متلاشی کرتا ہے اس طرح اس کا مطالعہ فرمائیں، اس کے باوجود اگر کہیں غلطی محسوس ہو یا شبہ پیش آئے تو احقر کو مطلع کر لے کی زحمت گوارا فرماتیں، حق کو قبول کرنے میں کسی قسم کی عار

مجھے محسوس نہ ہوگی۔

آخر میں ان تمام حضرات کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اس "نقش اول" کو ترتیب دینے میں قدمے، سخنے میری مدد فرمائی۔ بالخصوص جناب پروفیسر خورشید احمد صاحب ایم، اے (مدیر چراغ راہ کراچی) اور برادرِ محترم جناب مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی مدرس دار العلوم کراچی . . . . کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ اور خدائے کریم کا شکر تو کسی طرح ادا ہو ہی نہیں سکتا، کہ اس نے مجھ جیسے بے بساط شخص پر اتنا بڑا فضل فرمایا، اسی سے التجا ہے کہ ان الٹے سیدھے نقوش کو مفید اور مقبول بنا دے۔ وما ذلک علیہ بعزیز!

۷/۸، گارڈن ایسٹ
کراچی ۳

محمد تقی عثمانی
۱۴ جنوری سنہ ۱۹۶۱ء

۸

جو شخص اجتماعی زندگی میں قدم رکھتے وقت مذہب کو
بالائے طاق رکھ دیتا ہے، اس احمق کی طرح ہے جو
کانٹوں پر چلنے سے پہلے اپنے جوتے اتار دے۔

سیسل

بسم اللہ

مقدمہ

از جناب پروفیسر خورشید احمد ایم۔ اے، ایل، ایل۔ بی۔

قرآن پاک میں شیطان کا چیلنج مرقوم ہے کہ :۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۔

(پھر) شیطان نے کہا کہ مجھے تو تو نے گمراہ کیا ہی ہے، اب میں بھی تیری سیدھی راہ پر انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا (اور انھیں گمراہ کرنے کیلئے) آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ان کو گھیروں گا، اور ان کی راہ ماروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔

تاریخ شاہد ہے کہ شیطان ہر دور اور ہر زمانے میں آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں ہر سمت سے حملہ آور ہوا ہے، اور اس نے طرح طرح کے جال انسان کو گمراہ کرنے کیلئے بچھائے ہیں، دورِ جدید میں جو حسین اور دلکش فریب شیطان نے انسان کو دیئے ہیں ان میں سے ایک غربت و افلاس کے ڈر سے قطع نسل اور تحدید نسل بھی ہے، بظاہر تو یہ منصوبہ بڑا سادہ اور معصوم سا

معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ اسلامی تہذیب و تمدن پر ایک نہایت گہرا وار ہے اور اس کی زد عقیدہ اور ایمان، اخلاقی اقدار اور معاشرتی روایات سماج اور تمدن سب پر پڑتی ہے بلا شبہ ؎

ترے نشتر کی زد شریانِ قیسِ ناتواں تک ہے

یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ مسلمان ممالک بھی آہستہ آہستہ شیطان کے اس نئے حملے کے آگے سپر ڈالنے لگے ہیں اور اس معاشی مغالطے کا شکار ہو رہے ہیں جس کا تانا بانا ابلیسی فکر نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ بنا ہے۔

تحدید نسل کا مسئلہ اصلاً ایک معاشی مسئلہ ہی نہیں، جن حضرات کی نگاہ حالات جدیدہ پر ہے وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ دورِ جدید میں یہ دراصل ایک سیاسی مسئلہ ہے اور اس کی پشت پر بڑی خطرناک ذہنیت کام کر رہی ہے،

تاریخ کا ہر طالب علم اس بات کو جانتا ہے کہ کثرتِ آبادی کی بڑی سیاسی اہمیت ہے ہر تہذیب نے اپنے تعمیری اور تشکیلی دور میں آبادی کو بڑھانے کی کوشش کی ہے مشہور مورخ ول ڈورانٹ (Will Durrant) اسے تہذیبی ترقی کا ایک بڑا اہم سبب قرار دیتا ہے۔ ٹائن بی (Toynbee) بھی کثرتِ آبادی کو ان چیلنجوں میں سے ایک قرار دیتا ہے جو تہذیب کے ارتقاء کا باعث ہوتے ہیں تاریخ کی ان تمام اقوام نے جنھوں نے کوئی عظیم کارنامہ انجام دیا ہے ہمیشہ تکثیر آبادی ہی کی پالیسی اختیار کی ہے، اس کے برعکس زوال پذیر تہذیبوں میں آبادی کی قلت کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور آبادی کی قلت بالآخر اجتماعی قوت کے

انحلال پر منتج ہوتی ہے، اور وہ قوم جو اس حالت میں مبتلا ہو جاتی ہے آہستہ آہستہ گمنامی کے غار میں گر جاتی ہے، تہذیب کے جتنے بھی قدیم مراکز ہیں ان تمام کی تاریخ کے مطالعہ سے یہی حقیقت سامنے آتی ہے، خود اسلامی تاریخ میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کے عروج کا زمانہ بھی وہی تھا جب ان کی قوم میں نیا خون تیزی کے ساتھ شامل ہو رہا تھا اور ان کی تعداد برابر بڑھ رہی تھی، غالباً یہی وجہ تھی کہ سب سے سچے انسان (فداہ ابی وامی) نے فرمایا تھا کہ:-

الیسی عورت سے نکاح کرو جو محبت کرنے والی اور بچے جننے والی ہو۔"

اور خود ہمارے زمانہ میں بھی جرمنی اور اٹلی اسی پالیسی پر عامل رہے ہیں، اور روس اور چین آج بھی اس پر شدت سے عمل کر رہے ہیں، وہ آبادی کو اپنا قومی اثاثہ سمجھتے ہیں اور اس کے ذریعہ اپنی سیاسی سطوت تعمیر کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ تاریخ کا بے لاگ فتوے ہے کہ آبادی اور سیاسی قوت واقتدار ساتھ ساتھ جاتے ہیں، ایک تہذیب کے تعمیر و ترقی کے دور میں آبادی بڑھتی ہے اور اس کے انحطاط کے زمانے میں آبادی میں کمی آتی ہے۔

فطرت کا یہی قانون جدید مغرب میں بھی اپنا عمل دکھا رہا ہے۔

دنیا میں آبادی کی تقسیم کچھ اس طرح ہے کہ ایشیا اور عالم اسلام آبادی کے سب سے بڑے مراکز ہیں، ان ممالک کے مقابلہ میں مغربی ممالک کی آبادی نمایاں طور پر کم ہے، گزشتہ پانچسو سال میں مغرب کی سیاسی قیادت و بالادستی کی بنیاد وہ سائنسی اور میکانیکی فوقیت تھی جو اسے مشرقی ممالک پر حاصل تھی اور جس کی

وجہ سے اس نے آبادی کی کمی کے باوجود سیاسی حکمرانی قائم کرلی اور اس غلط فہمی کا شکار ہوگیا کہ اب آبادی کی اہمیت زیادہ نہیں ہے ـــــ لیکن نئے حالات اور حقائق نے غلط فہمی کے اس طلسم کو چاک کر دیا ہے۔

مغربی اقوام کی آبادی کے مسلسل کم ہونے سے ان کی سیاسی طاقت میں بھی انحطاط آنا شروع ہوا اور پہلی جنگ کے موقع پر یہ احساس عام ہوگیا کہ تحدید آبادی کا مسلک سیاسی اور اجتماعی حیثیت سے بڑا مہنگا پڑ رہا ہے، فرانس نے اپنی عالمی پوزیشن آہستہ آہستہ کھو دی اور مارشل پیٹین نے اس امر کا اعتراف کیا کہ فرانس کے زوال کا ایک بڑا بنیادی سبب آبادی کی کمی ہے، برطانیہ کے متعلق سابق وزیر اعظم سر ونسٹن چرچل کے صاحبزادے مسٹر رینڈالف چرچل نے جو خود پارلیمنٹ کے ممبر اور ایک مشہور سیاسی مبصر اور صاحب قلم ہیں اس بات کا اظہار کیا کہ:

"میں نہیں سمجھتا کہ ہماری قوم بالعموم اس خطرے سے آگاہ ہو چکی ہے کہ اگر ہماری شرح پیدائش اسی طرح گرتی رہی تو ایک صدی میں برطانیہ کی آبادی صرف ۴۰ لاکھ رہ جائے گی اور اتنی کم آبادی کے بل بوتے پر برطانیہ دنیا میں ایک بڑی طاقت نہ رہ سکے گا۔"

اس وجہ سے یورپ کی تقریباً تمام ہی اقوام نے اپنی پالیسی کو بدلا اور گزشتہ تیس سال سے وہ آبادی کو بڑھانے کے مسلک پر عمل پیرا ہیں اور حکومت افزائش نسل کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کر رہی ہے، فرانس نے اسقاط حمل اور تحدید نسل کی تمام کارروائیوں کو قانوناً ممنوع کیا، ہٹلر اور مسولینی کے تحت جرمنی اور اٹلی نے انھیں نہ صرف سخت ترین جرم قرار دیا بلکہ مثبت قانونی،

معاشرتی اور معاشی تدابیر سے بچوں کی تعداد بڑھانے کی حوصلہ افزائی کی۔ سویڈن نے ایک سرکاری کمیشن مقرر کیا کہ وہ حالات کا جائزہ لے اور اس کمیشن کی سفارشات پر "بڑے خاندان" کی پالیسی اختیار کی گئی، شادی شدہ لوگوں کیلئے ٹیکس کی شرح کم کی گئی اور بے شمار دوسری مراعات بچوں کے لئے فراہم کی گئیں۔ انگلستان کے وزیر داخلہ ہربرٹ موریسن نے سنہ ۱۹۴۳ء میں یہ ہدف قوم کے سامنے رکھا کہ ہر خاندان میں کم از کم ۲۵% کا اضافہ ہونا چاہیئے۔ یہی پالیسی امریکہ نے اختیار کی اور اس وقت مغربی دنیا کے تمام ملک یہی پالیسی اختیار کئے ہوئے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں شرح پیدائش برابر بڑھ رہی ہے اور اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے ہو سکتا ہے۔

ملک	سالانہ شرح پیدائش فی ہزار			
	19 ۳۱-۳۵	19 ۳۶-۴۰	19 ۴۱-۴۵	19 ۴۷
امریکہ	۱۷ر۲	۱۷ر۳	۲۰ر۲	۲۵ر۸
کنیڈا	۲۱ر۵	۲۰ر۵	۲۳ر۴	۲۸ر۶
انگلینڈ	۱۵ر۰	۱۴ر۷	۱۵ر۹	۲۰ر۹
فرانس*	۱۶ر۵	۱۴ر۵	۱۵ر۱	۲۱ر۰
سویڈن	۱۴ر۱	۱۴ر۸	۱۸ر۷	۱۸ر۹

(بحوالہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا سنہ ۱۹۵۵ء جلد ۳، صفحہ ۶۵۲)

* سنہ ۱۹۱۶ء میں فرانس کی شرح پیدائش صرف ۹ر۴ تھی۔

اس وقت مغرب کی تمام ہی اقوام اپنی آبادی کو بڑھانے کی کوشش کر رہی ہیں لیکن یہ اضافہ مشرقی اقوام کی آبادی کے اضافہ کے مقابلہ میں کم ہے محض اس کے سہارے مغربی اقوام کو اپنا سیاسی اقتدار قائم رکھنا مشکل نظر آتا ہے پھر وہ فنی، سائنسی اور ٹکنیکی معلومات جو آج تک مشرق پر مغرب کی بالادستی قائم رکھے ہوئے تھیں اور جن سے مشرقی ممالک کو بڑی کوشش کے بعد محروم رکھا گیا تھا آج ان ممالک میں بھی عام ہو رہی ہیں، اور چونکہ ان ممالک کی آبادی بھی مغربی ممالک کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے اس لئے نئے مشینی آلات سے آراستہ ہونیکے بعد اقوام کے محکوم رہنے کا کوئی امکان نہیں، بلکہ فطری قوانین کی وجہ سے اس انقلاب کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مغرب کی سیاسی قیادت کے دن گنتی کے رہ جائیں گے، اور نئی عالمی قیادت ان مقامات سے ابھرے گی جہاں آبادی بھی زیادہ ہے اور جو فنی اور ٹکنیکی مہارت رکھتے ہیں، ان حالات میں مغرب اپنی سیادت کو قائم رکھنے کے لئے ایک ایسا کھیل کھیل رہا ہے جو فطرت کے قانون کے خلاف ہے اور جو خود اس کے لئے بھی لمبے عرصہ میں نقصان دہ ثابت ہوگا، یعنی ـــــ مشرقی ممالک میں تحدید نسل اور ضبط ولادت کے ذریعہ آبادی کو کم کرنے کی کوشش اور فنی معلومات کی ترویج میں رخنہ اندازی ـــــ ہم یہ بات کسی تعصب کی بنا پر نہیں کہہ رہے بلکہ ہم خود مغربی ذرائع ہی سے اسے ثابت کر سکتے ہیں، مغرب میں آبادی کے مسئلہ پر بیسیوں کتابیں ایسی آئی ہیں جو آبادی کی کمی کے سیاسی اثرات کو واضح کر رہی ہے اور جن کے اثر کے طور پر خود حکومتی پالیسی میں تبدیلی ہوئی ہے، یہ سارا

لٹریچر ہمارے دعوے کیلئے ثبوت فراہم کرتا ہے، اسی طرح پروفیسر فرینک نوٹیسٹین مشہور امریکی رسالے "امور خارجہ (Foreign affairs) میں رقمطراز ہیں کہ :-

"اب اس کا کوئی امکان نہیں کہ شمالی مغربی یا وسطی یورپ کی کوئی قوم دنیا بھر کو چیلنج کرسکے، جرمنی دوسری یورپی اقوام کی طرح اس دور سے گزر چکا ہے جب وہ دنیا کی غالب طاقت بن سکے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اب فنی اور تکنیکی تہذیب ان ممالک میں بھی پہونچ گئی ہے جنکی آبادی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے"

(اپریل ۱۹۴۸ء)

دراصل یورپ کی سیاسی قیادت کو بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں ایشیا اور عالم اسلام کی بڑھتی ہوئی آبادی سے شدید خطرہ ہے، امریکی رسالہ ٹائم اپنی ۱۱ جنوری ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ

"کثرت آبادی (over-population) کے متعلق امریکہ اور یورپی اقوام کی بوکھلاہٹ اور ان کے تمام وعظ ونصیحت بڑی حد تک بے نتیجہ ہیں ان سیاسی نتائج واثرات کے احساس کا جو نئے حالات اور ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی آبادی کے بڑھنے اور غالب اکثریت حاصل کر لینے کی بنا پر متوقع ہیں یعنی مستقبل میں غالب قوت ان ممالک کو حاصل ہوگی جن کی آبادی زیادہ ہے اور جو نئے تکنیک سے بھی آراستہ ہیں، اب اس کا تو کوئی امکان

نہیں کہ نئے تکنیک سے ان ممالک کو مزید محروم رکھا جائے اس لئے مغربی سیادت وقیادت کو قایم رکھنے والی صرف ایک چیز ہوسکتی ہے اور وہ ہے ان ممالک میں تحدید نسل اور ضبطِ ولادت ! یہی وجہ ہے کہ تمام مغربی ممالک مشرقی ممالک میں پروپیگنڈہ کی بہترین قوتوں سے مسلح ہوکر یہاں ضبط ولادت کی تحریک کو ترقی دے رہے ہیں اور سادہ لوح مسلمان اس چال میں خود پیش قدمی کرکے پھنس رہے ہیں۔

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات !

لیکن اب بلی تھیلے سے باہر آچکی ہے ! اگر اب ہمنے دھوکا کھایا تو پھر کل ہمارا کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہوگا، اور ہمارے جو "ہمدرد" آج پوری شفقت کے ساتھ ہمیں خاندانی منصوبہ بندی کا درس دے رہے ہیں۔ کل یہی ہماری کمزوری سے فائدہ اٹھاکر ہم پر اپنا تسلط قایم کرینگے اور ہم اُف بھی نہ کرسکیں گے، اسی خطرے کو حکیم الامت علامہ اقبال نے بہت پہلے محسوس کرلیا تھا اور قوم کو تنبیہ کی تھی کہ اس سے ہوشیار رہے، ان کے یہ الفاظ آج بھی ہمیں دعوتِ فکر وعمل دے رہے ہیں۔

"عام طور پر اب ہندوستان میں جو کچھ ہورہا ہے یا ہونیوالا ہے وہ سب یورپ کے پروپیگنڈے کے اثرات ہیں، اس قسم کے لٹریچر کا ایک سیلاب ہے جو ہمارے ملک میں بہہ نکلا ہے بعض دوسرے وسائل بھی ان تشویق وترویج کے لئے اختیار کئے

جا رہے ہیں، حالانکہ ان کے اپنے ممالک میں آبادی کو گھٹانے
کی بجائے بڑھانے کے وسائل اور تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں
اس تحریک کی ایک بڑی غرض میرے نزدیک یہ ہے کہ یورپ
کی اپنی آبادی اس کے اپنے پیدا کردہ حالات کی بناء پر جو اس کے
اختیار و اقتدار سے باہر ہیں، بہت کم ہو رہی ہے اور اس کے
مقابلہ میں مشرق کی آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے اور اس
چیز کو یورپ اپنی سیاسی ہستی کے لئے خطرۂ عظیم سمجھتا ہے "
(رسالہ الحکیم لاہور ماہ نومبر ۱۹۳۶ء- بحوالہ ہمدرد صحت
دہلی جولائی ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۸۲)

یہ ہے اس مسئلہ کی اصل حقیقت! پھر ہمارے ملک کے لئے تو کچھ خاص
حالات کی بناء پر آبادی کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، ٹھیٹھ دفاعی نقطۂ نظر
سے ہماری حیثیت بتیس دانتوں کے درمیان ایک زبان کی سی ہے، ایک
طرف ہندوستان ہے جس کی آبادی ہم سے چار گنا زیادہ ہے، دوسری طرف
روس ہے جسکی آبادی ہم سے تین گنا زیادہ ہے، اور تیسری طرف چین ہے
جس کی آبادی ہم سے آٹھ گنا زیادہ ہے اور تینوں کی نگاہیں ہمارے اوپر
لگی ہوئی ہیں! ایسے حالات میں ہمارے دفاع کا حقیقی تقاضا کیا ہے؟ آیا یہ
کہ ہم آبادی کو کم کر کے اپنی قوت کو اور بھی مضمحل کر لیں یا ہر ممکن ذریعہ سے اپنے
کو اتنا قوی اور موثر بنا لیں کہ کوئی دوسرا ہماری طرف بری نگاہ ڈالنے کی
ہمت بھی نہ کر سکے!

اگر یہ کہا جائے کہ آج کی جنگ میں انسان کے مقابلہ میں آلات زیادہ اہم ہیں تو ہم یہ کہیں گے کہ ایٹمی ترقیات کے بعد پھر انسان کی اہمیت بڑھ گئی ہے آخر اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ کوریا کی جنگ میں چین نے محض اپنی عددی کثرت کی وجہ سے امریکہ کے بہترین ہتھیاروں کو بھی بے اثر کر دکھایا تھا، اس لئے آج آبادی کی دفاعی اہمیت کا ایک نیا احساس پیدا ہو گیا ہے اور عالم اسلام کو محض آنکھیں بند کر کے مغرب کی نقالی میں کوئی ایسی روش اختیار نہ کرنی چاہیئے جو اس کے لئے ملی خودکشی کے مترادف ہو آبادی کی یہ دفاعی اہمیت صرف پاکستان ہی کے لئے نہیں ہے، عرب دنیا کے لئے بھی اس کی اہمیت کچھ کم نہیں، وہاں اسرائیل اپنی آبادی کو بڑھانے کی پالیسی پر عامل ہے اور اس کے مقابلہ کیلئے پورے عالم اسلام کو تیار ہونا ہے اسی طرح مغربی دنیا اور اشتراکی دنیا میں جو کشمکش جاری ہے اس میں بھی عالم اسلام کا ایک مرکزی رول ہے، اگر یہاں کی آبادی برابر کم ہوتی ہے تو اس کا فائدہ کمیونسٹوں کے علاوہ کسی کو نہ پہونچے گا، یہاں کی آبادی کی تحدید کر کے مغربی اقوام ایک موہوم منفعت عاجلہ کے لئے ایک حقیقی خطرہ مول لے رہی ہیں جو خود ان کی دفاعی لائن کو بڑا کمزور کر دے گا۔

ہماری اس بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آج آبادی کا مسئلہ اصلاً ایک سیاسی مسئلہ ہے اور اسے پوری سیاسی سوجھ بوجھ کے ساتھ حل کرنا چاہئے اور وہ مسلک اختیار کرنا چاہیے جس سے ہم اور پورا عالم اسلام نہ صرف اپنی آزادی کو قایم رکھ سکیں بلکہ بین الاقوامی امور میں اپنا صحیح پارٹ ادا کرنے

لکیں۔ ہمیں پرائے شگون پر اپنی ناک کٹانے کی حماقت ہرگز نہ کرنی چاہیئے۔

(۲)

آبادی کے مسئلہ کی سیاسی نوعیت کو ہمنے اوپر واضح کر دیا ہے، لیکن ضروری ہے کہ اس بڑی بنیادی غلط فہمی کو بھی دور کیا جائے جس کا راگ ضبط ولادت کے مؤیدین صبح و شام الاپتے ہیں، یعنے یہ اصل مسئلہ معاشی ہے اور پیداوار کی قلت کا واحد حل تحدید نسل ہے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو زمین پر تل دھرنیکی جگہ نہ رہے گی اور سخت تباہی مچے گی، یہ استدلال بھی اپنی کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور اس کی حیثیت محض پروپیگنڈے سے زیادہ نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات گوبلز کے اس اصول پر کام کر رہے ہیں کہ "ایک جھوٹ کو اس کثرت سے نشر کرو کہ دنیا اس کو سچ جان لے"

یورپ میں تحدید نسل کی تحریک کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا، مالتھس نے آبادی کا معاشی پہلو واضح کیا تھا لیکن تحدید نسل کا کوئی پروگرام اس لئے پیش نہ کیا، انگلستان میں سب سے پہلے فرانسس پیلس نے ۱۸۲۲ء میں ایک کتاب "آبادی کے مسئلہ کی تفصیلات اور اس کے ثبوت" لکھی، اور فرانسس پیلس، جان اسٹورٹ مل اور رٹی، جے وولر نے اس تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا، اس زمانہ میں (۱۸۲۵) ایک کتاب "محبت کیا ہے؟" لکھی گئی جس کا مصنف رچرڈ کارلائل تھا (اسے مشہور مورخ تھامس کارلائل نہ سمجھا جائے۔) اور اس نے بڑی بے باکی اور بے غیرتی کے ساتھ ضبط تولید کے ذریعہ آسان اور بے ضرر محبت کا نظریہ پیش کیا۔

انگلستان میں یہ تحریک آٹھ دس سال تک بڑے زور شور سے چلی لیکن ابھی اخلاقی قدریں اتنی بے وزن نہیں ہوئی تھیں کہ یہ تحریک پاؤں جما سکتی اس لئے حباب کے مانند ابھری اور دب گئی۔ یہ تحریک انیسویں صدی کے ربع آخر میں دوبارہ ابھری، اب اس نے باقاعدہ ایک تنظیم کی شکل بھی اختیار کر لی، انگلستان میں مالتھوسین لیگ (Malthusian league) قایم ہوئی اور یورپ کے دوسرے ممالک میں ایسی ہی تنظیمیں قایم ہونے لگیں، ۱۸۷۶ء میں چارلیس بریڈلا (Charles Bredlaugh) اور مسز اینی بسنٹ (Annie Basant) نے یہ "جہاد" شروع کیا اور جلد ہی اس تحریک کو مقبولیت حاصل ہوئی، خصوصیت سے طبی حلقوں نے اس کی بڑی رہنمائی کی اور ڈاکٹر وڈریسڈیل اور ان کی اہلیہ (Dr and mrs. C.R. Drysdel) نے تو اس مہم میں اپنی جان ہی کھپا دی۔

امریکہ میں رابرٹ ڈیل اووین نے سنہ ۱۸۳۰ء میں ایک کتاب اخلاقی افعال الاعضاء (Moral physiology) لکھی ۱۸۳۲ء میں ڈاکٹر چارلس نا ولٹن نے "ثمرات فلسفہ" (Fruits of Philosphy) کے نام سے ضبط تولید کے نظریات کو پیش کیا اور آزاد خیالی کا سہارا لیکر اس تحریک کو آگے بڑھایا ڈاکٹر نا ولٹن کا تعلق طبی پیشہ سے تھا لیکن اس کی کتاب مبلغانہ انداز میں لکھی گئی ہے، ان تحریرات نے فضا کو اس تحریک کیلئے سازگار بنایا لیکن باقاعدہ تنظیم بندی کا آغاز بیسویں صدی میں ہوا جبکہ اس تحریک کی سب سے سرگرم کارکن مسز مارگریٹ سینگر (Margret Sanger) نے باغی عورت

(The Woman Rebel) کے نام سے ایک رسالہ نکالا۔ ۱۹۲۱ء میں ایک ملکی کانفرنس کی اور بالآخر برتھ کنٹرول لیگ قائم کی۔ ۱۹۲۳ء سے کلینک بھی قایم ہونا شروع ہوئے اور ۱۹۳۹ء میں پورے ملک کی ضبط تولید کی تنظیموں کی فیڈریشن قایم ہوئی، ۱۹۴۲ء میں اس فیڈریشن کا نام بدل کر (planned parent hood Federation of America) کردیا گیا اور جب ہی سے ضبط تولید کی جگہ "خاندانی منصوبہ بندی" کا زیادہ معصوم نام مستعمل ہونے لگا۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مغربی ممالک میں یہ تحریک وسط انیسویں صدی سے شروع ہوئی اور آہستہ آہستہ تمام یورپ اور امریکہ میں پھیل گئی، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس زمانے میں ان ممالک میں پیداوار کی قلت تھی؟ کیا رفتار پیداوار سست تھی؟ کیا فی کس آمدنی برابر گر رہی تھی؟ ——— اس لئے کہ اگر یہ تحریک معاشی وجوہ کی بنا پر اختیار کی گئی تھی تو ان سوالات کا جواب اثبات میں ہونا چاہیے۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اس زمانے میں ان تمام ممالک میں دولت کی ریل پیل تھی، پیداوار بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھی، صنعتی انقلاب اور اس کے تضمنات کی وجہ سے قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ ہو رہا تھا، اور ہر حیثیت سے خوش حالی کا دور دورہ تھا، مثال کے طور پر انگلستان میں 1865-1934 کے درمیان فی کس آمدنی میں بر ۲/۱۳ کا اضافہ ہوا تھا اور عام خوشحالی کا معیار بلند ترین تھا، ۱۸۷۰ اور ۱۸۸۹ میں فی کس صرف (per capita Consumption) میں بھی

نمایاں فرق ہوا جس کا اندازہ مندرجہ ذیل جدول سے ہو سکتا ہے۔

اشیاء	مقدار	فی کس سالانہ صرفہ	
		۱۸۴۰	۱۸۸۶
ترکاری	پونڈ	۱۰ر	۱۱ ر ۹۵
مکھن	"	۱ر۰۵	۷ ر ۱۶
پنیر	"	ر۹۲	۵ ر ۱۴
انڈے	عدد	۳ر۶۳	۲۸ ر ۱۲
گندم	پونڈ	۴۲ر۴۷	۲۸۵ر۷۶
شکر	"	۱۵ر۲۰	۴۷ ر ۲۱
چائے	"	۱ر۲۲	۴ ر ۷۷

یہ جدول عام خوشحالی کو ظاہر کرتا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دولت بڑھ رہی تھی پیداوار میں اضافہ ہو رہا تھا، اجرت بھی روز افزوں تھی اور عام خوشحالی کا معیار بھی بلند تر ہو رہا تھا تو پھر تحدید نسل کی معاشی ضرورت کہاں پائی جاتی تھی؟

یہی حال امریکہ کا ہے، امریکہ میں ۱۹۲۶ - ۱۸۰۹ کے درمیان کل ملکی دولت ۷ ارب ڈالر سے بڑھکر ۹۵ ۷ ارب ڈالر پر پہونچ گئی تھی یعنی تقریباً ۱۰۰ گنا اضافہ تھا، اگر آبادی کے اضافہ کو بھی شامل کر لیا جائے تو فی کس آمدنی

(per capita Income) اس زمانہ میں ۱۳۱ ڈالر سے بڑھکر ۴۵۰ ڈالر ہوگئی تھی یعنے یہاں بھی تقریباً ۵۰۰٪ کا اضافہ ہوا، ایسی حالت میں ضبط تولید کی آخر کونسی معاشی وجوہ موجود تھیں ؟

اگر یورپ اور امریکہ کی معاشی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ غلط فہمی بالکل دور ہوجاتی ہے کہ اس تحریک کی معاشی بنیادیں بھی تھیں، دراصل معاشی دلائل کی حیثیت محض ایک ظاہری ڈھانچوں کی سی تھی جن کی کوئی حقیقی اور عملی اہمیت نہ تھی اور جنھیں صرف فضا کو سازگار کرنے اور کم علم لوگوں کو بہکانے کے لئے استعمال کیا گیا تھا اور یہی صورت آج بھی ہے، مشہور انگریز معاشی مفکر پروفیسر کولن کلارک (Prof. colin clark) نے اس سلسلہ میں بڑے پتے کی بات کہی ہے وہ لکھتا ہے کہ آبادی کو ہوا بنا کر پیش کرنے والے محض پروپیگنڈہ باز (pro-pagandist) ہیں اور ان کے ذہنوں کی تہ میں مخالف مذہب مفروضات موجود ہیں۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کا نقطہ نظر سائنٹفک ہے، اگر ایسا ہے، تو پھر ہمیں کہنا پڑے گا کہ شاید صفحہ ہستی پر سائنسدانوں کا ایسا کوئی اور گروہ موجود نہیں جس کی معلومات ان حقائق کے متعلق جن سے ان کا سابقہ ہے اس درجہ غلط ہو، بہت سے مالتھوسیتوں کو تو آبادی کے متعلق بنیادی حقائق کی عام معلومات تک نہیں ہیں اور جو آبادی کی شماریات میں کچھ شُدبُد رکھتے ہیں وہ بھی سب کے سب بلاشبہ معاشی فکر سے بالکل نابلد ہیں[۱]۔

---

[۱] colin clark "population growth and living standards" International Labour Review August 53

آج بھی دنیا کے معاشی وسائل بے انتہا ہیں اور نہ صرف موجودہ آبادی بلکہ اس سے دس گنا آبادی کو صرف علوم وسائل کے ذریعہ مغربی ممالک کے اعلےٰ معیار پر زندگی گزار سکتی ہے۔ یہی حالت خود ہمارے اپنے ملک کی ہے جہاں دولت کے خزانے خوابیدہ پڑے ہیں ان ہاتھوں کا انتظار کر رہے ہیں جو انھیں بیدار کر سکیں[۱]۔

(۳)

ضبط تولید کے سلسلہ میں ایک بات مزید سامنے رکھنی چاہیئے کہ خاص حالات میں انفرادی طور پر اسے اختیار کرنے اور اسے ملک وقوم کی عام پالیسی بنا لینے میں بڑا فرق ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ صحت یا دوسرے معقول وجوہ کی بنا پر ایک شخص کبھی اس قسم کا کوئی ذریعہ اختیار کرے لیکن اس رویّہ کو ملک کی عام پالیسی بنا دینا دینی، اخلاقی اور معاشی، ہر حیثیت سے مہلک ہوگا۔

اس موضوع پر مسلمان اہل علم اور اہل قلم نے قوم کی ہر مرحلے پر رہنمائی کی ہے اور ہمارے اپنے زمانے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا مقالہ "اسلام اور ضبط ولادت" بڑے معرکے کی چیز ہے، لیکن اس بات کی

---

[۱] اس موضوع پر راقم الحروف ایک کتاب مرتب کر رہا ہے جس میں تفصیل سے اس پہلو کا جائزہ لیا جا ئے، جو حضرات اس مسئلہ پر مغربی مصنفین کو پڑھنا چاہیں وہ J-D Barned کی کتاب World without War اور Dudly stamp کی کتاب Over Developing کا مطالعہ کریں

ضرورت تھی کہ نئے حالات اور نئے مسائل کے مطابق اس مسئلہ پر از سرِ نو بحث کی جائے اور مجھے خوشی ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے ہونہار اور نوعمر فرزند عزیزی میاں محمد تقی سلمہٗ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور شرعی اور عقلی ہر پہلو سے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے، ان کا یہ مقالہ ہر حیثیت سے جامع ہے اور ان کی نوعمری کے پیش نظر تو ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے میں دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ انھیں اپنے دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور اس مقالہ میں جو نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے اسے قبولیتِ عامہ بخشے، وما توفیقی اِلّا باللہ۔

خورشید احمد
۴ر جنوری سنہ ۱۹۶۱ء

۱۔ نیو کوئنس روڈ
کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

موضوعِ سخن

برتھ کنٹرول کی جو تحریک آجکل بہت زور شور کے ساتھ چل رہی ہے اسے اپنے ملک میں عملی جامہ پہنانے کا اہم فیصلہ ہمیں اسی وقت کرنا چاہیئے۔ جبکہ ہم اسے تین کسوٹیوں پر بخوبی پرکھ چکے ہوں۔

(۱) سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس نظریے پر ہم عمل کرنے جا رہے ہیں وہ اسلام کے ان عظیم اصولوں کے خلاف تو نہیں جو انسانی زندگی کے تمام تر شعبوں میں ایک معتدل اور پرسکون راہ کی ہدایت کرتے ہیں۔

(۲) پھر یہ سوچنا چاہیے کہ یہ تحریک عقل کے نزدیک بھی قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

(۳) اس کے بعد اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالنی چاہیئے، کہ یہ تحریک کہیں عملی جامہ پہن چکی ہے یا نہیں؟ اگر اس پر کہیں عمل ہوا ہے تو اس کے نتائج و ثمرات کس صورت میں ظاہر ہوئے؟ اس لئے ہم ان صفحات میں برتھ کنٹرول سے متعلق ان تینوں موضوعات پر الگ الگ بحث کرینگے تاکہ بات پوری وضاحت کیساتھ سامنے آجائے، واللہ المستعان!!!

۱- شرعی حیثیت

شرع اسلام کا اصل مدار کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر ہے، ضبطِ تولید کوئی نیا مسئلہ نہیں بلکہ مختلف ضرورتوں کے ماتحت مختلف صورتوں سے ہر زمانہ اور ہر ملک میں زیرِ بحث آتا رہا ہے، عہدِ رسالت اور زمانۂ نزولِ قرآن میں بھی اس کی مختلف صورتیں مختلف اسباب و اغراض کے ماتحت زیرِ بحث آئی ہیں، اور ان کے متعلق بہی سوالات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوتے اور زبانِ حق ترجمان سے ان کے جوابات ارشاد ہوتے، ایک مسلمان کے لئے کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سب سے اہم یہی ارشادات ہیں، انھیں کی روشنی میں کوئی مسئلہ شرعی حیثیت سے طے ہو سکتا ہے۔

قرآن و سنت میں غور کرنے سے اس مسئلہ کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک "قطع نسل" یعنے کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس کے سبب دائمی طور پر انسان اولاد پیدا کرنیکے قابل نہ رہے، دوسرے منع حمل، یعنے اولاد پیدا کرنے کی قابلیت باقی رہتے ہوئے کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے، ہم ان دونوں کے متعلق قرآن و سنت کے ارشادات کسی قدر تفصیل سے پیش کرتے ہیں، تاکہ مسئلہ کو سمجھنے اور اس کا نتیجہ نکالنے میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

قطع نسل

اس کی جو صورت قرنِ اول میں معروف تھی وہ "اختصاء" ہے (یعنے خصیتین نکلوا کر قوتِ مردمی ختم کر دینا) ——— حدیث میں اس سلسلہ کے چند سوال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوتے، سب کے جواب میں اس عمل کو سختی سے منع فرمایا اور حرام قرار دیا۔

ایک سوال کا واقعہ صحیح بخاری (باب مایکرہ من التبتّل والخصاء) میں یہ نقل کیا ہے. حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے، جوانی کے تقاضے سے جنسی خواہش ہمیں پریشان کرتی تھی اس لئے ہمنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت چاہی کہ ہم "اختصاء" کے ذریعہ قوتِ مردمی کو قطع کردیں تاکہ اس سے آزاد ہوکر جہاد کے کام میں مشغول رہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا، اور (اس فعل کے حرام ہونے سے متعلق) قرآنِ کریم کی یہ آیت پڑھی :-

یاایّھا الذین اٰمنوا لاتحرّموا طیبات مآ احلّ اللہ لکم ولا تعتدوا انّ اللہ لا یحب المعتدین۔	اے ایمان والو! تم اللہ کی ان پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ بناؤ جو اس نے تمہارے لئے حلال قرار دی ہیں، اور حد سے تجاوز نہ کرو، کیونکہ اللہ حد سے
(صحیح بخاری ۹ ۷۵ ۲)	

گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ قطع نسل کا یہ عمل آیت مذکورہ کے تحت حرام اور حد سے تجاوز میں دخل ہے

(۲) دوسرا سوال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فقر و افلاس کی وجہ سے کیا کہ شادی کرنے اور اس کے حقوق ادا کرنے کے لئے ان کے پاس کچھ نہ تھا، اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اختصار کی اجازت طلب کی تاکہ جنسی خواہش کی پریشانی رفع ہو جائے اور گناہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ مٹ جائے آپ نے ان کو بھی سختی سے منع فرمایا (صحیح بخاری ص ۷۶۰ ج ۲)

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ قطع نسل اور قوتِ مردمی کو ختم کرنا تحریم حلال اور حدود اللہ سے تجاوز ہونے کے سبب حرام ہے ان دونوں حضرات کا عذر قوی اور صحیح تھا مگر اس کے باوجود آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختصار کی اجازت نہ دی۔

(۳) اسی طرح کا ایک تیسرا سوال حضرت عثمان بن مظعونؓ نے اس بناء پر کیا کہ ان کی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح جنسی خواہش کو ختم کر کے ہر وقت عبادت اور ذکر اللہ میں لگے رہیں انھیں بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور بکثرت روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے "الاستیعاب" میں یہ روایت نقل کی ہے اور اسی طرح کا سوال وجواب حضرت علیؓ اور ابو ذر غفاریؓ کا نقل کیا ہے۔[1]

---

[1] عمدۃ القاری ص ۲۰ ج ۲۰

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے جنسی خواہش ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور تولید کی قابلیت باقی نہ رہے مطلقاً حرام وناجائز ہے خواہ اس میں کتنے ہی فوائد نظر آئیں، علامہ بدرالدین عینیؒ نے بخاری کی شرح میں فرمایا۔

وھو مُحرّم بالاتفاق — قطع نسل کا یہ عمل باتفاق حرام ہے

۲۔ منعِ حمل

اس کی جو صورت اس زمانہ میں معروف تھی اسے "عزل" کہا جاتا ہے یعنی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے مادۂ تولید رحم میں نہ پہونچے، خواہ مرد کوئی صورت اختیار کرے یا عورت فم رحم کو بند کرنے کی کوئی تدبیر کرے، یہ دونوں شکلیں قدیم زمانہ سے معروف ہیں، بعض صحابۂ کرام سے خاص خاص ضرورتوں کے ماتحت ایسا کرنا منقول ہے، اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو ارشادات اس کے متعلق مختلف سوالوں کے جواب میں فرمائے وہ ایسے ہیں کہ نہ ان سے صاف طور پر ممانعت معلوم ہوتی ہے اور نہ صریح طور سے جائز ہونا مستفاد ہوتا ہے، البتہ اتنا ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے اس عمل کو پسند نہیں فرمایا۔ اسی لئے اس مسئلہ میں ائمہ سلف میں اختلاف رہا۔ بعض نے مطلقاً ناجائز قرار دیا۔ اور بعض نے کہا کہ یہ عمل فی نفسہٖ ناپسندیدہ ہے مگر خاص خاص ضرورتوں کے ماتحت اجازت بھی دی جاسکتی ہے اور اگر کسی غرضِ فاسد کی وجہ سے کیا جائے تو ناجائز ہے۔ روایاتِ حدیث اس

بارہ میں یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی کنیزوں سے عزل کرنا چاہا (تاکہ گھر کے دوسرے کاموں میں حرج پیش نہ آئے) مگر یہ مناسب نہ معلوم ہوا کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کئے بغیر ہم ایسا کریں، آپؐ سے سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

ماعلیکم أن لا تفعلوا ما من نسمۃٍ کائنۃ الٰی یوم القیامۃ الا وھی کائنۃ (بخاری و مسلم)	اگر تم ایسا نہ کرو تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ جو جان پیدا ہونے والی ہے تو وہ ضرور ہو کر رہے گی۔

(۲) انھیں ابو سعید خدریؓ کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

ما من کل الماء یکون الولد واذا اراد اللّٰہ خلق شیئ لم یمنعہ شیئ (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)	ہر نطفہ سے تو بچہ پیدا ہوتا نہیں اور جب اللہ تعالےٰ کسی کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔

مطلب یہ ہے کہ جس مادہ سے کسی بچہ کا پیدا کرنا اللہ تعالےٰ نے مقدر کر دیا ہے وہ ضرور اپنے مستقر پر پہونچکر حمل بنے گا، تم کتنی ہی تدبیریں اس کے خلاف کرو کامیاب نہ ہوگے۔

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری ایک کنیز ہے وہی گھر کے سب کام انجام دیتی ہے، میں اپنی جنسی ضرورت بھی اسی سے پوری کرتا ہوں مگر یہ چاہتا ہوں کہ اس کو حمل نہ رہے (تاکہ گھر کے کاموں میں خلل نہ پڑے) آپ نے فرمایا:۔

اعزل عنها إن شئت فانه سيأتيها ما قدر لها۔[1]	تمہارا دل یہی چاہتا ہے تو عزل کرلو مگر یہ یاد رکھو کہ جو بچہ اس کے
(مسلم شریف)	بطن سے پیدا ہونا تقدیر الٰہی میں لکھا گیا ہے وہ ضرور پیدا ہوگا

کچھ عرصہ کے بعد یہ شخص پھر حاضر ہوا اور ذکر کیا کہ وہ کنیز عزل کرنے کے باوجود حاملہ ہوگئی آپ نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جو بچہ پیدا ہونا مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا۔

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں۔ آپ نے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو؟۔ اس نے عرض کیا کہ میرا ایک بچہ ہے جس کو وہ دودھ پلاتی ہے، مجھے خطرہ ہے کہ حاملہ ہوگئی تو اس کا دودھ بچے کو مضر ہوگا، آپ نے فرمایا کہ فارس اور روم کے لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے بچوں کو کوئی نقصان نہیں ہوتا (مسلم)

ان چاروں روایات حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے اس عمل کو پسند نہیں فرمایا۔ مگر صاف ممانعت بھی نہیں فرمائی۔

(۵) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم اس زمانے میں عزل کرتے تھے جبکہ قرآن کا نزول جاری تھا، گویا اگر یہ عمل ناجائز ہوتا تو قرآن کی کوئی آیت اس کی ممانعت پر نازل ہو جاتی، جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ عمل جائز ہے۔

یہ حدیث بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے نقل کی ہے مسلم کی ایک روایت میں اتنا اور ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمارے اس عمل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے منع نہیں فرمایا۔

(۶) لیکن جذامہ بنت وھبؓ کی حدیث جو صحیح مسلم میں منقول ہے اس میں ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارہ میں سوال کیا تو آپنے فرمایا۔

ذٰلك الوَاد الخفیّ وهی إذا الموءودة سئلت (مشکوٰۃ ص ۲۷۶)	یہ تو خفیہ طور پر اولاد کو زندہ درگور کر دینے کے حکم میں ہے اور آیت قرآن اذا الموءودة سئلت[1] اس کو شامل ہے۔

اس آخری حدیث میں صراحت کے ساتھ اس عمل کی ممانعت اور حرمت بیان فرمائی گئی ہے اور اس کو قتل اولاد کے حکم میں شامل کیا گیا ہے اسی حدیث

[1] اس آیت میں احوال قیامت کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب اس لڑکی سے جسے زندہ درگور کیا گیا ہے سوال کیا جائے گا۔

کے بعض الفاظ میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

ماکنت اری مسلماً یفعلہٗ — میں کبھی یہ گمان نہ کرتا تھا کہ کوئی مسلمان ایسا کریگا۔ (فتح القدیر)

(۷) مگر اس کے مقابل ایک روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم اپنی کنیزوں سے عزل کرتے تھے مگر بعض یہودیوں نے کہا کہ یہ تو موءودہ صغریٰ ہے یعنی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی چھوٹی صورت ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہود غلط کہتے ہیں، اللہ تعالےٰ کوئی جان پیدا کرنا چاہتے ہیں تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ (ترمذی)

بظاہر یہ حدیث پہلے والی حدیث جذامہؓ کے خلاف ہے اس میں تو خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عزل کو وأد خفی فرمایا اور اس میں یہود کے قول موءودہ صغریٰ کو غلط قرار دیا ——————— لیکن درحقیقت ان دونوں میں کوئی تعارض واختلاف نہیں، بات یہ ہے کہ یہود نے تو اس عمل کو زندہ درگور کرنے ہی کی ایک قسم قرار دیا تھا، فرق چھوٹے بڑے کا کیا تھا، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو حقیقتاً زندہ درگور کرنا قرار نہیں دیا بلکہ "وأد خفی" فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ اگرچہ ظاہر اور حقیقت کے اعتبار سے موءودہ نہیں مگر اسی مقصد کا ایک پوشیدہ راستہ ہے جس کے لئے لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے، یعنے لڑکیوں کی وجہ سے عار لاحق ہوجانے کا خطرہ، اس طرح یہ روایت پہلی روایت سے تو متصادم

نہیں رہتی مگر پچھلی سب روایات کے خلاف ہے کیونکہ اس میں عزل کو صراحتہً منع فرمایا ہے اور پچھلی سب روایات میں صاف منع نہیں فرمایا ہے۔

ان دونوں قسم کی روایات جمع کرنے کے لئے علماء اہل تحقیق نے مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں، ان میں سب سے زیادہ واضح اور اسلم یہ ہے کہ روایت جذامہؓ کو کراہت پر محمول کیا جائے اور پچھلی سب روایتوں کو جواز پر۔ اب ان سب روایات کے مجموعے سے یہ حاصل ہوگا کہ یہ عمل جائز تو ہے مگر مکروہ اور ناپسندیدہ۔

جمع روایات کے اس طریق کے لئے خود ان روایات میں شواہد موجود ہیں، کیونکہ جوازِ عزل کی جتنی روایات اوپر نقل کی گئی ہیں ان سب کا حاصل یہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کی ہمت افزائی تو کہیں نہیں فرمائی بلکہ ناپسندیدگی یا فضول ہونے کا اظہار فرمایا۔ البتہ واضح طور پر اس عمل کی ممانعت بھی نہیں کی، تو اس کا حاصل بھی یہی نکلا کہ یہ عمل جائز مگر مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، اور جذامہؓ کی آخری حدیث کا حاصل بھی تحقیق کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل مکروہ ہے، کیونکہ وأد خفی کو حقیقی وأد کا درجہ تو نہیں دیا جا سکتا، حقیقی وأد حرام ہے تو اس وأد خفی کو مکروہ ہی کہا جا سکتا ہے صحابہؓ وتابعینؒ کی ایک بڑی جماعت کا یہی مسلک ہے کہ اس عمل کو مکروہ قرار دیا جائے علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں فرمایا ہے۔

اس عمل کی کراہت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ۔ ابن عمرؓ اور ابو امامہؓ سے مروی ہے، ابراہیم نخعیؒ، سالم بن عبداللہؒ، اسود بن

یزید اور طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ عزل مکروہ ہے۔"

عام فقہائے امت کا رجحان بھی ان تمام روایات حدیث کو دیکھنے کے بعد یہی ہے کہ یہ عمل مکروہ ہے، جیسا کہ فتح القدیر، رد المحتار، احیاء العلوم وغیرہ میں کی تصریحات موجود ہیں۔

البتہ عذر اور مجبوری کے حالات ہر جگہ مستثنیٰ ہوا کرتے ہیں یہاں بھی خاص خاص اعذار کی حالت میں یہ کراہت باقی نہ رہے گی جسکی تفصیل رد المحتار وغیرہ میں مذکور ہے۔

مثلاً عورت اتنی کمزور ہے کہ بارِ حمل کا تحمل نہیں کر سکتی، یا کسی دور دراز کے سفر میں ہے یا کسی ایسے مقام میں ہے جہاں پر قیام وقرار کا امکان نہیں، خطرہ لاحق ہے، یا زوجین کے باہمی تعلقات ہموار نہیں علیحدگی کا قصد ہے۔

ان سب اعذار کا خلاصہ یہ ہے کہ شخصی اور انفرادی طور پر کسی شخص کو عذر پیش آجائے تو عذر کی حد تک اس طرح کا عمل بلا کراہت جائز ہوگا، عذر رفع ہونیکے بعد اس کے لئے بھی درست نہیں اور عام لوگوں کے لئے اجتماعی طور پر اس کی ترویج بہرحال ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔

ایک اور بات بھی یاد رکھیے کہ کوئی شخص انفرادی طور پر کسی ایسی غرض کے ماتحت عزل کرے جو اسلامی اصولوں کے خلاف ہے تو اس کا یہ عمل ناجائز کہلائے گا۔ مثال کے طور پر اگر یہ خیال ہو کہ لڑکی ہوگئی تو بدنامی ہوگی تو اسکے اس عمل کو جائز نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے کہ اس کی بناء وہ نظریہ ہے جس پر

قرآن کریم نے جابجا نکیر فرمائی ہے، علیٰ ھذا کوئی شخص مفلسی کے وہم سے یہ کام کرے تو بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ اس کا مقصد اسلام کے بنیادی اصولوں سے بالکل خلاف ہے۔

خلاصہ مذکور الصدر بحث سے حاصل شدہ نتیجہ یہ ہے کہ ضبط ولادت کا اگر کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے، خواہ مرد کی طرف سے یا عورت کی طرف سے، کسی دوا یا انجکشن کے ذریعہ یا اپریشن اور خارجی تدابیر سے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشادات کے ماتحت ناجائز اور حرام ہے۔

ہاں منع حمل کی صورتیں خواہ وہ عزل وغیرہ کی صورت میں ہوں یا کسی دوا اور انجکشن یا خارجی تدابیر کے ذریعہ شخصی حالات کو دیکھ کر خاص خاص ضرورتوں کے ماتحت وقتی طور پر بقدر ضرورت ان کا استعمال کر لینے کی گنجائش ہے، اور وہ بھی اس وقت جبکہ اس عمل کا مقصد کوئی ناجائز نہ ہو لیکن اس کو قومی اور اجتماعی شکل دینا شریعت وسنّت کا مقابلہ ہے کہ اس کو قوم وملت کے لئے نہ صرف جائز بلکہ ذریعۂ فلاح وترقی قرار دینا جس کو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے قوم وملک کے لئے مُضر یا کم از کم ناپسندیدہ بتلایا ہو، ہرگز جائز نہیں، خصوصاً جبکہ اس کی بنیاد فقر وافلاس کے خوف یا اقتصادی بدحالی کے خطرہ پر رکھی جائے، جسکو رب العالمین نے خالص نظام ربوبیت کے تحت اپنی ذمہ داری قرار دی ہے اور کسی کی مداخلت کو اس میں جائز نہیں رکھا۔

عرب کے جاہل جو فقر و افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے، ان کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے قرآن کریم نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ تمہارا یہ فعل نظامِ ربوبیت میں مداخلت کا مترادف ہے، تمام مخلوق کے رزق کی ذمہ داری رب العالمین نے نہایت واضح الفاظ میں اپنے ذمہ لی ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا يَعْلَمُ مستقرها ومستودعها۔ (پ ۱۲)	زمین پر چلنے والی کوئی مخلوق ایسی نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو وہ ان سب کے ٹھیلے ٹھکانے کو جانتا ہے۔

اس آیت میں اور اسکی امثال بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ وہ جتنی جانیں اس عالم میں پیدا فرماتے ہیں ان کے رزق یعنی ضروریاتِ زندگی کی کفالت وہ خود فرماتے ہیں، اور اس شان سے فرماتے ہیں کہ مقرر کردہ راشن ڈپو پر جانے اور وہاں سے رزق حاصل کرنے کی محنت بھی ہر مخلوق کے ذمہ نہیں ڈالی، بلکہ یہ بھی ان کے ذمہ نہیں کیا گیا کہ جب وہ کسی دوسری جگہ منتقل ہوں تو درخواست دیکر اپنا راشن وہاں منتقل کرائیں بلکہ فرمایا یعلم مستقرھا ومستودعھا یعنی رب العالمین ہر جاندار کی مستقل قیام گاہ اور عارضی قیام گاہ کو جانتا ہے وہیں اس کو رزق دیتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے۔

ان من شیئ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم

کوئی چیز ایسی نہیں جسکے خزانے ہمارے پاس موجود نہ ہوں اور ہم ان میں سے ایک مخصوص مقدار نازل کرتے ہیں

ان آیاتِ الٰہیہ پر ایمان رکھنے والے کو یہ ماننا پڑے گا کہ خداوند قدوس نے مخلوق کو معاذ اللہ بے سوچے سمجھے پیدا کر کے نہیں ڈال دیا کہ دوسروں کو ان کے رزق کا انتظام کرنا پڑے، اور نہ معاذ اللہ یہ ممکن ہے کہ پیدا کرنے والے کو اس کی خبر نہ ہو کہ مخلوق کی آبادی بڑھتی جاتی ہے اور یہ دنیا اور اس کی تمام اشیاء محدود ہیں ان کے لئے کس طرح پوری ہوں گی۔

علیم و حکیم نے ہر مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے اس کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا انتظام کر رکھا ہے، جاندار کے وجود میں آنے سے پہلے بطن مادر میں اور پیدا ہونے کے بعد ماں کی چھاتیوں میں اس کی غذا پیدا کر دی جاتی ہے اور معدے کی طاقت کے ساتھ اس کی غذا بدلتی رہتی ہے، صرف انسان ہی نہیں جنگل کے ہر جانور کے متعلق بھی قدرت کا یہی قانون ہے جس چیز کی جس زمانے میں زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس کی پیداوار بڑھا دیتے ہیں، اور جس کی ضرورت کم ہو جاتی ہے اس کی پیداوار بھی کم کر دیتے ہیں، پچھلے زمانہ میں پٹرول کا کوئی کام نہ تھا اس کی پیداوار بھی کچھ نہ تھی آج نئی دنیا کی روح پٹرول پر قائم ہے تو زمین نے اس کے خزانے اگل دیئے ہیں۔

اسی طرح زمین کی وسعت کا حال ہے کہ پچھلے دور میں "ربع مسکون"

زمین کا بہت تھوڑا حصہ آباد تھا، باقی زمین کو پہاڑ، جنگلات اور خالی میدانوں نے گھیر رکھا تھا، آبادی بڑھتی گئی اور بستیاں ہر جگہ بنتی گئیں، اور آج بھی موجودہ زمین پر اتنی وسعت ہے کہ بہت کچھ آبادی اس میں سما سکتی ہے جس کی دلیلیں اور اعداد و شمار ہم آگے اپنے مقام پر پیش کریں گے انشاءاللہ

اس کے علاوہ قدرت نے موت اور حوادث کا ایسا نظام بنایا ہے کہ خود بخود زمین کے حصے خالی ہوتے اور دوسروں کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اور جس رفتار سے دنیا کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے اسی رفتار سے حوادث بڑھتے جاتے ہیں پچھلی صدیوں میں ساری جنگوں میں ہلاک ہونے والے انسانوں کی تعداد کا موازنہ اگر صرف ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم سے کر لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ شاید اس جنگ نے پچھلی ساری جنگوں کا ٹوٹل ایک دفعہ میں پورا کر دیا، ہر جگہ طوفان، سیلاب، وبائی بیماریاں ریلوں کے باہم تصادم کے حوادث جو پہلے نہ تھے آج ہر طرف قدرتی اسباب کے تحت پیش آتے رہتے ہیں اور کوئی طاقت ان کو روکنے پر قادر نہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ نظام ربوبیت اسی ذات کے لئے سجتا ہے جس نے اس مخلوق کو پیدا کیا ہے، وہ جانتا ہے کہ جس کو میں پیدا کر رہا ہوں وہ کہاں بسے گا، کہاں رہے گا، کیا کھائے گا؟ کسی ملک کے عوام یا حکومت کو اس میں مداخلت کرنا زیب نہیں دیتا۔

انسان کی انتظامی مشنری کا کام صرف اتنا ہے کہ اختیاری اسباب کی حد تک زمین کی پیداوار کو بڑھانے کی کوشش کرے، پیدا شدہ

غلات وسامان کو ضائع ہونے سے بچانے کی فکر کرے، حاصل شدہ سامان کی تقسیم عدل وانصاف کے ساتھ کرے، آباد زمینوں کی تقسیم میں عدل وانصاف قایم کرے، اور غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے میں خداداد عقل وفہم اور وسائل سے کام لیکر آباد کرنیکی کوشش کرے، ـــــ اگر انسان کی انتظامی مشنریاں اپنے ان فرائض کو صحیح طور پر انجام دینے لگیں تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کو کسی دور میں بھی معاشی بدحالی کا سامنا کرنا نہ پڑے،

مگر ہو یہ رہا ہے کہ انسانوں نے اپنے کرنے کا کام تو چھوڑ رکھا ہے یا بے پروائی سے خراب کر رکھا ہے، اور رب العالمین کے نظام ربوبیت میں مداخلت کرنیکی فکر میں پڑ گئے۔ یہ صورتِ حال عقلاً بھی غلط ہے اور تجربہ و مشاہدے بھی اس کا غیر مفید ہونا واضح کر دیا ہے کہ موجودہ دنیا کی ساری کوششیں انسان کو امن وسکون اور عافیت واطمینان دلانے میں قطعاً ناکام نظر آتی ہیں، جس کا اندازہ موجودہ زمانے اور پچھلے زمانہ کے موازنہ سے ہر شخص بآسانی کر سکتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ضبطِ تولید کو قومی حیثیت سے رواج دینا اور اس کو دنیا کی فلاح ونجات کا ذریعہ قرار دینا نظام ربوبیت میں بیجا مداخلت اور تعلیمات سنّت کا مقابلہ ہے، جو کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا، پھر اس سے صلاح وفلاح کی امید بھی موہوم امید ہے۔

واللہ سبحانہٗ وتعالےٰ اعلم

۲- عقلی حیثیت

جب آپ کو یہ معلوم ہو چکا کہ برتھ کنٹرول پر عمل اسلامی اصولوں کے خلاف ہے تو عقلِ سلیم کا تقاضا تو یہ ہے کہ بحث کو یہیں ختم کر دیا جائے کیونکہ اسلام ایک ہمہ گیر مذہب ہے، اس کے اصولوں کو کسی بشری ذہنیت نے اختراع نہیں دیا بلکہ وہ اس مالک الملک والملکوت کے بنائے ہوئے ہیں جس کا علم ہر ہر چیز پر محیط ہے، اس کے تمام احکام عقلِ سلیم کے عین مطابق اور بڑی دقیق حکمتوں پر مبنی ہوتے ہیں، تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کا کوئی نظریہ ایسا نہیں جو عقل و خرد کے کسی صحیح تقاضے سے ٹکرایا ہو، اس لئے جب اسلام کا ایک حکم معلوم ہوا تو ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو گیا کہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے لیکن جو لوگ بے عقلی سے عقل اور شریعت میں تفاوت سمجھتے ہیں ان کے اطمینانِ خاطر کے لئے مناسب ہے کہ زیرِ بحث تحریک کو خالص عقل کی میزان میں بھی تول لیا جائے۔

(۱) اس دنیا کے معرضِ وجود میں آنے سے لیکر اب تک کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالتے تو یہ بات بخوبی آشکارا ہو جائے گی کہ ہمیشہ ضروریات کی مناسبت سے پیداوار کی رفتار رہی ہے، جیسی جیسی ضرورتیں سامنے

آتی رہیں ویسے ہی اسباب اور سہولتیں پیدا ہوتی رہیں، جب اس روئے زمین پر کھانے پینے والے کم تھے تو اشیائے خورد و نوش بھی اسی نسبت سے کم تھیں، جب انسانوں کی آبادی زمین کے ایک محدود رقبہ میں تھی تو مواصلات کے لئے سائیکل تک کی ضرورت نہ تھی، اس لئے اس وقت نہ یہ ہوائی اور بحری جہاز تھے نہ ریل اور موٹر کاریں، اس وقت کے لوگ اگر یہ سوچکر برتھ کنٹرول کرنے لگتے کہ "آبادی روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور وسائلِ معاش محدود ہیں، نہ اس وقت کھانے پینے کا اتنا سامان ہے کہ تمام بڑھتی ہوئی آبادی کا پیٹ بھر سکے اور نہ کوئی سفر کا ذریعہ ہے جس سے قطع منازل کا کام لیا جائے، اگر اضافہ آبادی کی روک تھام نہ کی گئی تو اندیشہ ہے کہ تمام عالم انسانیت ایک عظیم مصیبت اور تنگی میں گرفتار ہوجائے گی، اس لئے ہمیں ضبطِ تولید کرنا چاہیئے" تو ہزاروں سال پہلے دنیا کا وجود ختم ہوجاتا لیکن انھوں نے یہ غلطی نہیں کی، کیونکہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عادتِ جاریہ سے واقف تھے، وہ جانتے تھے کہ آبادی بڑھے گی تو اس کا بڑھانے والا اسے تنگیِ معاش سے بھی بچائے گا اور ان کی ضروریات پوری فرمائے گا۔ چنانچہ ہوا بھی یہی کہ جوں جوں نسل انسانی میں اضافے کے ساتھ ساتھ ضرورتیں بڑھتی رہیں وسائل معاش میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔

بہرکیف عادت اللہ ہمیشہ سے اسی طرح جاری ہے کہ جیسی جیسی ضرورتیں سامنے آتی ہیں ویسے ہی انہیں رفع کرنے کا سامان کیا جاتا ہے

اور صرف یہی نہیں بلکہ جس چیز کا وجود دنیا اور اس میں بسنے والوں کے لئے بے ضرورت ہوجاتا ہے، مالک الملک اس کو بہت کم اور بسا اوقات معدوم کر دیتا ہے، بڑی واضح مثال ہے کہ جب وسائل سفر میں ہوائی اور بحری جہاز ریلیں اور موٹریں ایجاد نہ ہوئی تھیں تمام دنیا میں رہنے والوں کے تمام سفر گھوڑوں پر طے ہوتے تھے، لیکن جب ان چیزوں نے گھوڑوں کی جگہ کو زیادہ بہتر طریقے سے پُر کر دیا تو ان کی وہ اہمیت ختم ہوگئی جو پہلے تھی، رفتہ رفتہ لوگوں نے اس کثرت کے ساتھ انھیں استعمال کرنا ہی چھوڑ دیا، اب حساب کا تقاضا تو یہ تھا کہ آج گھوڑے گلی کوچوں میں کتے بلیوں کی طرح گھوما کرتے اور ادنیٰ درجہ کی بات یہ تھی کہ ان کی قیمت میں بڑی نمایاں کمی ہوجاتی لیکن واقعہ کیا ہے؟ گھوڑوں کی تعداد میں اضافہ تو الگ رہا حیرت انگیز کمی ہوگئی، اور قیمت میں کمی تو درکنار، نمایاں اضافہ ہوگیا۔

دور جانے کی ضرورت نہیں، آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ہندوستان میں پہلے گائے کا ذبیحہ قانوناً جائز تھا، ہر روز لاکھوں گائیں ذبح ہوتی تھیں، چند سالوں سے گائے کا ذبح کرنا قانونی جرم قرار دیدیا گیا اور انکی اتنی بڑی تعداد روزانہ بچتی رہی، حساب لگایا جائے تو اس کی رو سے آج ہندوستان میں انسانوں کی تعداد کے قریب قریب گائیں ہونی چاہئیں لیکن کیا کسی نے دیکھا کہ وہاں انکی اتنی افراط ہوگئی ہے؟ ——————

ہرگز نہیں! یہ تو قادرِ مطلق کے وہ قوانین ہیں جن تک عقل کی رسائی نہیں ہوسکتی، یہ وہ مرحلہ ہے جہاں ہوش و خرد جواب دیدیتے ہیں،

حساب وکتاب کی زبان گنگ ہوجاتی ہے، فطرت کے ان محیر العقول قوانین میں حساب وکتاب قدم بھر ساتھ نہیں دے سکتے، اس لئے یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ اضافہ آبادی معاشی تنگی پر منتج ہوگا ۔۔۔ بلکہ جب آبادی بڑھے گی تو قادر مطلق وسائل رزق میں وسعت عطا کرینگے جیسے کہ پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے۔

اللہ نے ہی اس محدود رقبہ زمین میں اپنی مخلوق کی بے شمار انواع پیدا کی ہیں جن میں سے ہرایک میں توالد وتناسل کی ایسی زبردست قوت ہے کہ اگر صرف ایک ہی نوع بلکہ بعض انواع کے صرف ایک جوڑے کی نسل کو پوری قوت سے بڑھنے دے تو ایک قلیل مدت میں تمام روئے زمین صرف اسی نسل سے پٹ جائے اور کسی دوسری نسل کے لئے ایک ذرہ برابر گنجائش باقی نہ رہے۔

مثلاً استارہ مچھلی بیس کروڑ انڈے دیتی ہے، اگر اس کے صرف ایک فرد کو اپنی پوری نسل بڑھانے کا موقع میسر آجائے تو تیسری چوتھی پشت تک دنیا کے تمام سمندر اس سے لبالب بھر جائیں اور ان میں پانی کے ایک قطرے کی بھی گنجائش نہ رہے، مگر وہ کون ہے جو ان نسلوں کو اپنی مقررہ حدود سے آگے نہیں بڑھنے دیتا ؟ یقیناً وہ ہماری سائنٹفک کوششیں نہیں، خدا کی حکمت ہے۔

توجس طرح خدا نے اپنی حکمت سے ان نسلوں میں ایسا اضافہ نہیں ہونے دیا جوان کے لئے عرصۂ حیات تنگ کردے، بعینہ اسی طرح اس کی

حکمت نسلِ انسان پر بھی حاوی ہے، ہمیشہ سے اسی حکمت کے مطابق عمل ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا، پھر ہمیں کیا ضرورت ہے کہ قدرت کے ان کاموں میں دخل اندازی کے مرتکب ہوں ؟

(۲)

دوسرے یہ ضبط تولید خواہ کسی طرح کیا جائے بہر صورت ایک غیر فطری عمل ہے کیونکہ عورت اور مرد کے درمیان ازدواجی تعلق قایم کرنے سے فطرت کا اصل مقصد بقائے نوع ہے، جو خصوصیت سے عورت کے جسمانی نظام اور اس کے تدریجی تغیرات پر غور کرنے سے واضح ہوجاتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی جسمانی مشنری بنانے کا منشاء صرف یہ ہے کہ وہ بقائے نوع کی خدمت انجام دے، وہ جب اپنے شباب کو پہونچتی ہے تو ماہواری کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جو ہر ماہ اسے استقرار حمل کے لئے تیار کرتا رہتا ہے، پھر جب نطفہ قرار پاتا ہے تو اس کے جسمانی نظام میں ایک انقلاب آجاتا ہے، ہونیوالے بچے کا مفاد اسکے اپنے پر غالب آجاتا ہے اس کی قوت کا صرف اتنا حصہ اس کے لئے چھوڑا جاتا ہے جتنا اس کی زندگی کے لئے ناگزیر ہے، بقیہ تمام قوت بچے کی نشو ونما پر صرف ہوتی ہے یہی چیز عورت کی فطرت میں ماتا، ایثار، رحم اور محبت کے جذبات پیدا کرتی ہے۔

وضع حمل کے بعد عورت کے جسم میں ایک دوسرا انقلاب رونما ہوتا ہے جو اسے دودھ پلانے پر آمادہ کرتا ہے، اس زمانہ میں غدو درضاعت

ماں کے خون سے بہترین اجزا جذب کر کے بچے کے لئے دودھ فراہم کرتے ہیں اور اس مرحلے پر بھی فطرت عورت کو ذاتی مفاد پر نوعی مفاد کو ترجیح دینے کا سبق دیتی ہے۔

مدتِ رضاعت کے بعد قدرت کی طرف سے اسے دوسرے استقرار حمل پر تیار کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جبتک وہ اس اہم خدمت کی اہل رہتی ہے، اور جہاں سن یاس شروع ہوتا ہے ساتھ ہی ساتھ اس کا حسن و جمال ختم ہونے لگتا ہے، جاذبیت کافور ہو جاتی ہے، شگفتگی اور جولانی طبع پر زوال آجاتا ہے، اور پھر اس کے لئے بڑھاپے جسمانی تکلیفوں اور نفسانی افسردگیوں کا وہ سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کی تان موت ہی پر جا کر ٹوٹتی ہے۔

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ عورت کی زندگی کا سب سے بہتر زمانہ وہی ہے جس میں زن ایک اہم نوعی خدمت کے لئے جیتی ہے اور جب وہ اپنے لئے جیتی ہے تو بُری طرح جیتی ہے، تو گویا اس کی تخلیق اور ازدواجی تعلق سے فطرت کا مقصد بقائے نوع ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ فطرت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان عائلی زندگی اختیار کر کے تمدن کی بنیاد رکھے، کیونکہ ازدواجی تعلق سے اولاد اور ایک گھریلو ماحول پیدا ہوتا ہے پھر اس خانگی ماحول سے دوسرا، اور دوسرے سے تیسرا اسی طرح گھر سے خاندان اور خاندان سے قبیلے بنتے ہیں اور اسی بنیاد پر تمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے

اس لئے فطرت نے مرد و عورت کے عائلی رشتے میں جو کشش اور لذت پیدا کی ہے اس کا منشا یہ ہے کہ انسان اپنی طبعی خواہش سے ان مقاصد کو پورا کرے، لیکن جو شخص اس لذت کو تو حاصل کرتا ہے مگر اس مقصد کو پورا نہیں کرتا جس کے معاوضے میں اسے لذت حاصل ہوتی ہے تو اسکی مثال بالکل اس خادم جیسی ہے جو معاوضہ تو پورا لے مگر خدمت سے انکار کرے، کیا ایسا خادم سزا دینے کے لائق نہیں؟

جس طرح یہ خادم سزا دینے کے قابل ہے اسی طرح وہ انسان بھی مجرم ہے جو لذت حاصل کرنا چاہتا ہے مگر ان مقاصد کو پورا نہیں کرتا جن کے بدلے فطرت نے اسے لذت سے بہرہ اندوز کیا ہے، فطرت اس شخص کو سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑ سکتی جو اس کی حکم عدولی یا اس سے غداری پر آمادہ ہو، اس لئے لامحالہ اسے نقصانات پہونچنے چاہئیں۔

واقعہ اس عقلی نتیجہ کی تائید میں ہے، حقیقۃً اس عمل سے انفرادی اور اجتماعی نقصانات ہوتے ہیں، چند نقصانات ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

جسمانی نقصانات

ضبطِ ولادت سے عورت اور مرد دونوں کی جسمانی اور نفسانی صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے عورت کے بارہ میں تو ہم پہلے لکھ آئے ہیں چونکہ عورت کا جسمانی نظام بقائے نوع کا اہم رول ادا کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس لئے جب تک وہ اس خدمت کے قابل رہتی ہے، ٹھیک رہتی ہے لیکن جہاں اس کی اس خدمت میں فرق آتا ہے، ساتھ ہی ساتھ حسن و جمال شگفتگی اور جوانی

طبع پر بھی زوال آتا ہے۔

مرد کی کیفیت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں، کیونکہ اس کے جسم کی بناوٹ میں بھی ذاتی مفاد پر نوعی مفاد کو ترجیح دیگئی ہے مرد کے جسم میں اس کے صنفی غدّے (Saxual glands) سب سے زیادہ اہم خدمات انجام دیتے ہیں، یہ غدے مرد کے جسم میں صرف قوّتِ تولید بہم پہنچا کر اپنا کام ختم نہیں کر دیتے بلکہ انسانوں کو وہ مادالحیات (Hermon) بھی عطا کرتے ہیں جس کے زیر اثر جسم پر بال پیدا ہو جاتے ہیں، عضلات میں طاقت اور توانائی آجاتی ہے، ڈھانچے کی ہڈیاں سخت اور مضبوط ہو جاتی ہیں اور جسم کے دوسرے اعضاء بھی بالیدگی اور پختگی حاصل کر لیتے ہیں، اس کے ساتھ ہی نفسیاتی تغیر واقع ہوتا ہے اور مرد میں عقل و تمیز اور شعور بیدار ہو جاتا ہے ـــــ یہ طاقت و توانائی تازگی اور انبساط مرد کے اسی دور کا خاصہ ہے جس میں وہ توالد و تناسل کے قابل ہوتا ہے پھر جوں جوں اس کے قوائے تناسل میں اضمحلال طاری ہوتا ہے اسی نسبت سے اس کی توانائی اور تازگی میں فرق پڑنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اس نوعی خدمت کے بالکل قابل نہیں رہتا تو وہی دور اس کے بڑھاپے کا ہوتا ہے جس میں اس کی قوت جواب دیدیتی ہے حوصلے پست اور ولولے سرد ہو جاتے ہیں، نوعی خدمت کی استعداد کا ختم ہو جانا فی الحقیقۃ اس کے لئے موت کا پیغام ہے۔

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ نر و مادہ کی عین فطرت اولاد پیدا

کرنے کا تقاضا کرتی ہیں، اور صنفی غدود کا جسمانی اور ذہنی قوتوں پر بڑا اثر ہوتا ہے۔

اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ جب انسان ازدواجی تعلق سے صرف لذت کو پیش نظر رکھے گا اور اس مقصد کو پورا کرنے سے انکار کر دیگا جس کی طلب اس کی رگ و پے میں خونِ حیات بنکر دوڑتی ہے تو ممکن نہیں کہ عصبی نظام اور صنفی غدود کے عمل پر اس حرکت کے بُرے اثرات مرتب نہ ہوں، چنانچہ پروفیسر لیونارڈ ہل ایم بی اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے۔

"یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی زندگی میں اس کے صنفی غدد کا بڑا اثر ہے، جو غدے زوجی قوت پیدا کرتے ہیں وہی انسان میں توانائی اور چستی بھی پیدا کرتے ہیں، ان ہی سے انسان میں کیرکٹر کی بہت سی خصوصیات پیدا ہوتی ہیں، زمانۂ بلوغ کے قریب جب ان غدود کا عمل تیز ہو جاتا ہے تو جس طرح انسان میں تناسل کی استعداد پیدا ہوتی ہے اسی طرح اس میں خوبصورتی شگفتگی اور ذہنی قوت جسمانی طاقت جوانی اور عملی سرگرمی بھی پیدا ہوتی ہے، اگر ان غدود کے فطری مقاصد کو پورا نہ کیا جائے گا تو یہ اپنے ضمنی فعل یعنے تقویت کو بھی چھوڑ دیں گے خصوصاً عورت کو استقرارِ حمل

سے روکنا دراصل اس کی پوری مشین کو معطل اور بے مقصد بنانا ہے[1]۔"

۱۹۴۲ء میں برطانیہ کے نیشنل برتھ ریٹ کمیشن نے ضبط ولادت کے مسئلہ پر طبی نقطہ نظر سے جو رپورٹ شائع کی تھی اس میں لکھا ہے۔

"مانع حمل وسائل کے استعمال سے مردوں کے نظام جسمانی میں برہمی پیدا ہو سکتی ہے، عارضی طور پر ان میں مردانہ کمزوری یا نامردی بھی پیدا ہو سکتی ہے، لیکن مجموعی حیثیت سے کہا جا سکتا ہے کہ ان وسائل کا کوئی زیادہ بڑا اثر مرد کی صحت پر نہیں پڑتا البتہ اس بات کا ہمیشہ خطرہ ہے کہ مانع حمل وسائل سے جب مرد کو ازدواجی تعلق میں اپنی خواہشات کی تکمیل حاصل نہ ہوگی تو اس کی عائلی زندگی کی مسرتیں غارت ہو جائیں گی اور وہ دوسرے ذرائع سے تسکین حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جو اس کی صحت کو برباد کر دینگے اور ممکن ہے کہ اسے امراض خبیثہ میں مبتلا کر دیں۔"

---

[1] یہ اقتباس مولانا مودودی کی کتاب "اسلام اور ضبط ولادت" سے ماخوذ ہے، آگے جو نیشنل برتھ ریٹ کمیشن کی رپورٹ کا اقتباس ہے وہ بھی اسی کتاب سے لیا گیا ہے۔

عورتوں کے متعلق کمیشن نے یہ رائے ظاہر کی کہ :-

"جہاں طبّی لحاظ سے منع حمل ناگزیر ہو، جہاں بچوں کی پیدائش حد سے زیادہ ہو، وہاں تو منع حمل کی تدابیر عورت کی صحت پر بلاشبہ اچھا اثر ڈالتی ہیں لیکن جہاں ان میں سے کوئی ضرورت داعی نہ ہو وہاں منع حمل کی تدابیر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت کے عصبی نظام میں سخت برہمی پیدا ہوجاتی ہے، اس میں بدمزاجی اور چڑچڑا پن پیدا ہوجاتا ہے۔ جب اس کے جذبات کی تسکین نہیں ہوتی تو شوہر کے ساتھ اس کے تعلقات خراب ہوجاتے ہیں، خصوصیت کے ساتھ یہ نتائج ان لوگوں میں زیادہ دیکھے گئے ہیں جو عزل (Coitus Interruptus) کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔"

بعض دوسرے ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ اعوجاج رحم، حافظہ کی خرابی اور لبا اوقات مراق اور جنون جیسے عوارض مانع حمل طریقوں سے پیدا ہوجاتے ہیں، نیز جس عورت کے یہاں زیادہ عرصہ تک بچہ پیدا نہیں ہوتا اس کے اعضاء تناسل میں ایسے تغیرات واقع ہوتے ہیں جن سے اسکی قابلیت تولید ختم ہوجاتی ہے اور اگر وہ کبھی حاملہ ہو تو وضع حمل میں اسے سخت اذیت برداشت کرنا پڑتی ہے۔

علاوہ بریں برتھ کنٹرول کے بعض طریقوں میں سرطان پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے، حال ہی میں شادی کی رہنمائی کی قومی کونسل میڈیکل ایڈوائزری بورڈ کے سکریٹری ڈاکٹر اسیتھل ڈیوکس نے ایک بیان میں کہا۔

"ضبط ولادت کی گولیاں عنقریب برطانیہ میں فروخت ہونی شروع ہو جائیں گی لیکن ان کی وجہ سے سرطان میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ چند سالوں کے استعمال کے ساتھ اس کے انتہائی خطرناک نتائج نکلیں گے جس میں سرطان میں مبتلا ہونا بھی شامل ہے، اس گولی کے دوسرے اثرات کی وجہ سے عورتوں کی صحت خراب ہو جائے گی۔"[1]

خانگی تعلقات پر ضبطِ ولادت کا اثر

دوسرا اہم نقصان جو اس فعل کی بدولت پیش آئیگا، یہ ہے کہ استقرارِ حمل سے بے فکر ہو جانیکے بعد شہوانی جذبات حدِّ اعتدال سے بڑھ جائیں گے، ڈاکٹر فورسٹر لکھتا ہے:۔

"مرد کی زوجیت کا رُخ اگر کلیتہً خواہشات نفس کی بندگی کی طرف پھر جائے اور اس کو قابو میں رکھنے کے لئے کوئی قوتِ ضابطہ موجود نہ رہے تو اس سے جو حالت پیدا

---

[1] روزنامہ انجام مجریہ ۳ ستمبر ۱۹۶۰ء

ہوگی وہ اپنی نجاست و دناءت اور زہریلے نتائج کے
کے اعتبار سے ہر اس نقصان سے کہیں زائد ہوگی جو بے
حد وحساب بچے پیدا کرنے سے رونما ہوسکتی ہے۔"[1]

اس کے علاوہ یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے کہ اولاد ماں باپ کے درمیان تعلق قایم رکھنے میں ایک مضبوط کڑی ہوتی ہے۔ اولاد کی تعلیم و تربیت اور ان کی دیکھ بھال میں ماں باپ کی شرکت ان کے درمیان محبت قایم رکھنے میں ایک اہم رول ادا کرتی ہے، اور جب اولاد ہی نہ رہے تو ان کے تعلق کی نوعیت عام جانوروں میں نر و مادہ کے درمیان باہمی تعلق سے زیادہ بلند مقصد نہیں رہتی، اس لئے دونوں کے درمیان کوئی مضبوط و مستحکم رشتہ پیدا نہیں ہوسکتا، صرف باہمی تعلق باقی رہ جاتا ہے اور اولاد کے نہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کو چھوڑ دینا بہت آسان ہوجاتا ہے، اس بنا پر باہمی ناچاقیاں اور طلاق اس فعل کا لازمی نتیجہ ہوجاتی ہیں۔

اخلاقی نقصانات

ضبطِ ولادت کا اخلاق پر بھی بہت بُرا اثر پڑ سکتا ہے، سب سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ ابتک ابھی لوگ خاندان اور سوسائٹی میں بدنامی سے خوف کھاتے ہیں، لیکن جب برتھ کنٹرول کے طریقے عام ہوجائیں گے تو زنا کی راہ سے ایک زبردست چٹان مٹ جائے گی اور یہ شجرۂ خبیثہ خوب پروان چڑھے گا۔

---

[1] ماخوذ از اسلام اور ضبطِ ولادت ص ۵۶

لذت پرستی اور نفس کی بندگی حد سے زیادہ بڑھے گی اور اس سے ایک عام اخلاقی گراوٹ وبائے عام کی طرح پھیلے گی اور جنسی جرائم بڑھینگے۔

(۲) یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ انسان میں کردار کی بہت سی خصوصیات پیدا کرنے میں اولاد کا بڑا حصّہ ہوتا ہے والدین تو اولاد کی تربیت کرتے ہی ہیں، ضبطِ نفس کفایت شعاری، سنجیدگی ایثار، عاقبت اندیشی جیسے خصائل حمیدہ اولاد کی پرورش سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن ضبطِ ولادت ان تمام اخلاقی اوصاف کی راہ مار دیتا ہے۔

(۳) اس کے علاوہ بچوں کی تربیت میں صرف والدین ہی کارفرما نہیں ہوتے بلکہ وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کی تربیت کرتے ہیں، ان کا آپس میں رہنا سہنا ملنساری، محبت، اخوت اور دوستی کے جذبات پیدا کرتا ہے، جس بچے کو اپنے ہم عمروں کے ساتھ کھیلنے کودنے اور دوسرے معاملات کا موقع نہیں ملتا وہ بہت سے اعلیٰ اخلاقی خصائص سے محروم رہ جاتا ہے۔

قومی اور اجتماعی نقصانات

اب ایک نظر ان نقصانات پر بھی ڈال لیجئے جو پوری قوم کو ضبطِ تولید کی بدولت بھگتنے پڑتے ہیں۔

(۱) ہر مرتبہ جب مرد و عورت ملتے ہیں تو مرد کے جسم سے لاکھوں جراثیم حیات عورت کے جسم میں داخل ہوتے ہیں اور عورت کے جسم سے لاکھوں بیضی خلیئے (Egg cells) نکلکران جراثیم سے ملنے

کے لئے بڑھتے ہیں، ان جراثیم اور خلایا میں سے ہر ایک علیحدہ نسلی اور شخصی خصائص کا حامل ہوتا ہے ان ہی میں عقلمند، ذہین، اور بہادر بھی ہوتے ہیں، اور انھیں میں احمق، کند ذہن اور بزدل بھی۔ انسان کے اختیار میں یہ بات نہیں کہ کسی خصوصیت کے خاص جرثومے کو کسی ایک خصوصیت رکھنے والے خلیئے سے ملا کر ایک مخصوص قسم کا انسان پیدا کر دے۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ ضبطِ ولادت پر عمل کرنے والا انسان اپنی قوم میں ایک بہترین مدبر، جرنل یا حکیم کی پیدائش کو روکنے کا موجب ہو اور اسے اپنی حدود اختیار سے تجاوز کرنے کی سزا فطرت کی طرف سے یہ ملے کہ اس کی نسل میں بے وقوف، غدار، بزدل اور خودغرض قسم کے لوگ پیدا ہوں، بالخصوص جب یہ بیجا مداخلت عام ہوجائے تو وہ یقیناً قحط الرجال کے خطرے میں مبتلا کرے گی۔

(۲) ضبطِ ولادت سے جس قوم کی آبادی گھٹ جائے وہ ہر وقت تباہی کے کنارے پر ہوتی ہے اگر اس میں کبھی جنگ چھڑ جائے یا وبائی مرض پھیل جائے یا کوئی اور حادثہ رونما ہوجائے تو آدمیوں کا ایسا قحط پیدا ہوگا جس کے بعد اس قوم کا پنپنا مشکل ہوجائے گا۔ پھر ضبطِ ولادت کے رواج سے عوام میں ایک خودغرضانہ ذہنیت پیدا ہوجائے گی، ہر شخص اپنی ذاتی اغراض کے پیشِ نظر یہ فیصلہ کرے گا کہ اسے کتنی اولاد کی ضرورت ہے؟ وہ یہ نہیں سوچے گا کہ ملک و قوم تعدادِ افراد کے لحاظ سے کس حال میں ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کی آبادی کم ہوئی تو بوقت ضرورت بڑھائے نہ بڑھ سکے گی۔

۳- ضبطِ ولادت معاشی نقطۂ نظر سے

آجکل کی تحریک ضبطِ ولادت کا منشاء چونکہ معاشی تنگی کا ازالہ بیان کیا جاتا ہے اس لئے ہم یہاں اس امر کی تحقیق بھی کرنا چاہتے ہیں کہ حقیقت میں ضبطِ ولادت معاشی لحاظ سے ناگزیر ہے یا نہیں؟ اور معاشی لحاظ سے ضبط ولادت مفید ہے یا مُضر؟

اس تحقیق کے لئے ہمیں تقریباً ڈیڑھ صدی پیچھے لوٹنا ہوگا کیونکہ موجودہ تحریک ضبطِ تولید کی بنیاد اس نظریے پر ہے جو ۱۷۹۸ء میں مالتھس نے پیش کیا تھا

مالتھس کا مسئلہ آبادی

یوں تو عرصۂ دراز سے علماءِ معاشیات میں یہ خیال موضوع بحث رہا ہے کہ جس رفتار سے آبادی میں اضافہ ہوتا ہے اسی رفتار سے ذرائع معاش نہیں بڑھتے اس لئے اندیشہ ہے کہ ذرائع معاش ...... بڑھتی ہوئی آبادی کا ساتھ نہ دے سکیں اور تمام عالمِ انسانیت کو معاشی تنگی کا سامنا کرنا پڑجائے، یہاں تک کہ یہ خیال اس "مہذب دور" کی ایجاد بھی نہیں بلکہ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ اسی خطرے کے پیشِ نظر اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے۔

لیکن عصرِ جدید میں جس شخص نے سب سے پہلے اس مسئلے کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کی وہ انگلستان کا مشہور معاشی عالم مالتھس ہے انیسویں صدی کے ابتدائی دور میں اس نے یہ اعلان کیا کہ ادنیٰ اُجرت اور افلاس کی وجہ بنی نوعِ انسان کی عددی زیادتی میں مضمر ہے، اضافہ آبادی کا اشیائے خورد و نوش پر دباؤ پڑتا ہے اور اس طرح اُجرت کی سطح نیچی رہتی ہے، اس میں اضافہ ممکن نہیں، تاوقتیکہ محنت کرنیوالی آبادی کے اضافہ کو نہ روکا جائے، بالفاظ دیگر وسائلِ معاش کے مقابلہ میں آبادی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتی ہے اور ان دونوں میں توازن اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جبکہ آبادی میں وقتاً فوقتاً تخفیف ہوتی رہے اس تخفیف کے لئے مالتھس نے دو قسم کے مانعات کا ذکر کیا ہے۔

(۱) ایجابی مانعات (positive checks) یعنی وہ موانع جو پیدا شدہ اور موجودہ آبادی کو کم کردیں، مثلاً فاقہ، امراض، جنگ وغیرہ

(۲) انسدادی مانعات (preventive checks) یعنی وہ موانع جو آبادی کو وجود میں آنے سے باز رکھیں، پہلی قسم کی روک تو اموات کی زیادتی سے ہوتی ہے اور دوسری تولید کی تحدید سے۔

اس کے بعد جن لوگوں نے ضبطِ ولادت کی باقاعدہ تحریک اٹھائی انھوں نے برتھ کنٹرول کے مروّجہ طریقوں کو انسدادی مانع کے طور پر استعمال کیا۔

اب ضبطِ تولید کی معاشی حیثیت جاننے کے لئے ہمیں دو پہلوؤں سے

غور کرنا چاہیئے، ایک یہ کہ مالتھس کا نظریہ کہاں تک صحیح تھا؟ دوسرے یہ کہ بعد کے لوگوں نے ضبطِ ولادت کے جن طریقوں کو استعمال کیا، وُہ درست تھے یا نہیں؟

جہاں تک ان طریقوں کے استعمال کا تعلق ہے جو آجکل رائج ہیں اس کے بارہ میں یہ کہنا پڑے گا کہ ضبطِ تولید پر عمل کرنے والوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ قطعی غلط تھا،

مالتھس نے انسدادی مانع کے واسطے جس طریقے کی سفارش کی تھی وہ برتھ کنٹرول کے موجودہ طریقے نہ تھے بلکہ برھم چرج (ضبطِ نفس) کا قدیم طریقہ تھا۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے سابق پروفیسر معاشیات ڈاکٹر ایف۔ ڈبلیو۔ ٹاسگ لکھتے ہیں:۔

> مالتھس کی یہ خواہش تھی کہ بیاہ کی عمر بڑھا دینی چاہیئے اور یہ کہ شادیاں زیادہ سن پر پہونچنے کے بعد ہونا چاہئیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو شادی کی شرح گھٹ جائے گی اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس عمر کو پہونچنے سے قبل کچھ نوجوان مرجائیں[1]۔

اس تجویز کی وجہ یہ نہیں ہوسکتی کہ اس زمانے میں ضبطِ تولید کے دوسرے طریقوں کا تصور نہ تھا، اس لئے کہ اگر آجکل کے فرزجے اور

---

[1] ترجمہ اصول معاشیات ج ۲ ص ۳۴۳ مطبوعہ حیدر آباد

دوسرے طریقے ایجاد نہ ہوئے تھے تو کم از کم عزل کا وجود تو بہت پہلے سے تھا، اس کے باوجود مالتھس نے انسدادی مانع آبادی کے لئے اس طریقے پر عمل درآمد نہیں سکھایا، لیکن اس کے اصل نظریئے کے حاملین نے نفع نقصان سوچے بغیر ایک ایسی مہلک راہ اختیار کرلی جس کی خرابی کا خمیازہ انھیں بعد میں بھگتنا پڑا۔

۲۔ رہی مالتھس کی تجویز سو وہ عملاً تو اتنی مضر اور غلط نہیں جتنی وہ تجاویز ہیں جو برتھ کنٹرول کے سلسلہ میں آجکل رائج ہیں۔

البتہ اس کا اصل نظریہ ایک اصل کلی کے لحاظ سے ہرگز صحیح نہیں؛ مالتھس نے جس صورتِ حال میں یہ نظریہ پیش کیا تھا اس میں تو بے شک اضافۂ آبادی کا تناسب خاصا تشویشناک تھا، جب صدیوں کے ترقی پذیر تمدن اور تہذیب کی بدولت بتدریج ضروری آلات اور علم حاصل کرنیکے بعد کسی تہذیب یافتہ آبادی کا دفعتہً نئے ملک پر قبضہ ہوتا ہے تو ایسی آبادی کو کچھ مدت کے لئے اضافۂ تعداد کی غیر محدود گنجائش مل جاتی ہے۔ چنانچہ جس زمانے میں مالتھس نے اضافے کے امکانات دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں اس میں شمالی امریکہ اور دوسرے کئی ممالک کے اندر یہی صورت پیش آئی تھی، ــــــ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عام حالات میں بھی اضافۂ آبادی اسقدر ہو کہ عرصۂ حیات تنگ کردے۔ چنانچہ ڈاکٹر ایف، ڈبلیو، ٹاسگ لکھتے ہیں:-

"حقیقت یہ ہے کہ حیوانات کی کوئی نوع بھی اپنی بانیشترین

شرح سے نہیں بڑھ سکتی اگر وہ ایسا کرے تو مرور زمانہ
کے ساتھ اس کی تعداد اسقدر بڑھ جائے گی کہ دوسروں
کی بقا ناممکن ہو جائیگی اور صرف وہی کرۂ ارض پر چھا
جائے گی، انسان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے ہر
ربع صدی کے اختتام پر اس کی تعداد دوگنی نہیں ہو سکتی
صرف غیر معمولی حالات کے تحت اس قسم کی شرح طویل
زمانے تک قایم رکھی جا سکتی ہے، جب صدیوں کے
ترقی پذیر تمدن اور تہذیب کی بدولت بتدریج ضروری
آلات اور علم حاصل کرنیکے بعد کسی تہذیب یافتہ آبادی
کا دفعتہً نئے ملک پر قبضہ ہونا ہے تو ایسی آبادی کو
کچھ مدت کے لئے اضافہ تعداد کی غیر محدود گنجائش مل
جاتی ہے چنانچہ جس زمانے کو مالتھس نے اضافے کے
امکانات کو تمثیل کے طور پر پیش کیا ہے اس میں
شمالی امریکہ میں یہی صورت پیش آئی، علیٰ ھذا
ریاستہائے متحدہ کے باشندوں میں بھی ان کی تاریخ
کے بیشتر حصے میں یہی صورتِ حالات تھی، اور اہلِ
کنڈا، اہلِ آسٹریلیا اور ارجنٹائن کی صورت میں بھی
یہی ہوا، یہ سب صورتیں بنی نوع انسان کی تاریخ
میں نہایت شاذ صورتیں ہیں، یہ ان مقابلتہً شاذ

صورتوں کے مشابہ ہیں جن میں کوئی حیوان مثلاً پروانہ
پرند، یا دودھ پلانے والا جانور کسی نو آباد علاقے کو
ہجرت جائے جو اس کے لئے بالکل نیا ہو اور کچھ مدت
تک وہاں اپنی غذا کے ذرائع کو کم یا اپنے رقیبوں
کو طاقتور پائے بغیر اپنی تعداد بڑھا سکتا ہو کسی ایسے
ملک میں جہاں آبادی قایم ہوئے مدت گزر چکی ہو،
بنی نوع انسان کسی بیشترین شرح سے اپنی آبادی کو
نہیں بڑھا سکتے[1]۔

اس کے علاوہ مالتھس کے زمانے میں وہ حیرت انگیز ایجادات بھی
عمل میں نہ آئی تھیں جو آجکل حیرت انگیز نہیں سمجھی جاتیں، سفر اور دوسرے
مواصلات کے ترقی یافتہ ذرائع، ریل، ہوائی اور بحری جہاز ایجاد نہ ہوئے
تھے بعد میں اس کے برعکس ان عمدہ ذرائع مواصلات نے دور دراز کے
سفروں میں بے حد سہولت پیدا کر دی قدیم ممالک کے لوگ نئے نئے ملکوں
میں آباد ہونے لگے اور ان ممالک کی پیداوار قدیم ملکوں میں آنے لگی،
جدید مقامات کے دریافت ہونے اور دور افتادہ ممالک کے درمیان
آمدورفت کے سہل ذرائع قایم ہونے سے مسئلہ آبادی کافی حد تک طے
ہو چکا ہے چنانچہ ڈبلیو۔ ایچ۔ مورلینڈ صاحب لکھتے ہیں:-

[1] ترجمہ اصول معاشیات از ڈاکٹر ٹاسگ ص ۲۲۰ ج ۲،

جس زمانے میں مالتھس نے مسئلہ آبادی پر قلم اٹھایا تھا، دنیا کی حالت آجکل کے مقابل جداگانہ تھی، اسکو معلوم نہ تھا کہ ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے جبکہ ریل اور دخانی جہازوں کے ذریعہ سے خوراک اور دیگر ضروریات کی کثیر مقداریں دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک پہنچا کریں گی، یہ پیش کردہ مسئلہ اس خیال پر مبنی ہے کہ ہر ملک کو اپنے واسطے سامان خوراک خود ہی پیدا کرنا پڑتا ہے اور مالتھس کے زمانے میں حالت بھی یہی تھی لیکن اب معاملہ دگرگوں ہے اب چاہے تو ایک ملک اپنا کل سامان خوراک دوسرے ملک سے منگا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ کسی دوسری شکل میں کافی دولت پیدا کرتا ہو جس کو بطور قیمت معاوضے میں دے سکے مثلاً انگلستان اپنی خوراک کا بہت تھوڑا حصہ خود پیدا کرتا ہے بلکہ وہ اپنی گوناگوں مصنوعات کے عوض میں دوسرے ملکوں سے خوراک کا سامان لیتا ہے، اب سوال یہ نہیں ہے کہ کوئی ملک اپنے واسطے کیونکر کافی خوراک پیدا کرے بلکہ یہ کہ وہ کیونکر اس قدر دولت پیدا کرے کہ مطلوبہ مقدار خرید سکے" (مقدمہ معاشیات مطبوعہ حیدر آباد)

مورلینڈ صاحب کے اس قول پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ گزشتہ دور میں یہ واقعات مسئلہ آبادی کو کافی حد تک طے کر چکے ہیں، لیکن آئندہ نئے نئے ممالک دریافت ہونے کی امید اب بہت مدھم ہے۔ چھوٹے چھوٹے جزیرے ملیں تو ملیں غالباً امریکہ اور آسٹریلیا جیسے برِاعظم اب نامعلوم نہیں رہے، ایجادات بھی منتہائے کمال کو پہونچ چکیں اور اگر ان کا سلسلہ جاری رہا بھی تو جیسا انقلاب دُخانی انجن نے کر دکھایا آئندہ ایسا ہونا دشوار ہے، لہٰذا جو خطرہ مسئلہ آبادی میں مضمر ہے وہ صرف ملتوی ہوا ہے ہمیشہ کے لئے رفع نہیں ہوا اور اب نہیں تو ہزار سال کے بعد اس کا وقوع ممکن ہے۔

اس اعتراض کا جواب تین طرح دیا جا سکتا ہے۔

(۱) جہاں تک ایجادات اور ملکوں کی دریافت کا تعلق ہے تو ان کے اضافہ کا تصوّر جو آجکل مشکل نظر آتا ہے وہ اس تصور سے مختلف نہیں جو گزشتہ زمانے میں لوگوں کے ذہن میں آچکا ہے

بھلا گزشتہ زمانے میں کس کو یقین آتا تھا کہ انسان بھی کبھی سمندر کا فراخ سینہ چیر کر دور دراز کے سفر بہ سہولت طے کرلے گا، یا سینکڑوں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوا میں پرواز کرے گا یہ راکٹ اور اسپٹنک جو [illegible] گزر کر چاند اور مریخ تک کی خبر لاتے ہیں ان جیسی چیزوں کا تصور جادوگروں کے اُڑن کھٹولے کی صورت میں ہو تو ہو، کسی حقیقی اور مشاہد چیز کی حیثیت سے ہرگز نہ تھا، اس کے باوجود جو

چیزیں اس وقت ناممکن نظر آتی تھیں آج ممکن ہی نہیں موجود ہیں،
اسی طرح اس وقت کی قیاس آرائی بھی آئندہ کیلئے ایجادات کے ختم
ہونے پر کوئی معقول دلیل نہیں،

(۲) اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ آئندہ وہ اسباب پیدا نہ ہونگے
جو بڑھتی ہوئی آبادی کو روک سکیں یا ان کی تمام ضروریات کے کفیل ہو جائیں
تو یہ تو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مستقبل قریب میں ایسے تشویشناک
اضافے کی کوئی امید نہیں، اور مستقبل بعید کے لئے اس وقت کا چھینکا ہوا
کچھ مضرت آج تو پیدا کر سکتا ہے کسی مفید نتیجہ کی امید موہوم ہے۔

(۳) پروفیسر الیاس برنی اصول معاشیات میں اس اعتراض کا جواب
دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً آبادی کبھی اسقدر
نہ بڑھے گی کہ ضروریات ملنے میں دقت ہو افزونی
آبادی پر جو خاص خاص بندشیں قایم ہیں وہ
حسب ذیل ہیں"

اس کے بعد انھوں نے چند ان اسباب کا ذکر کیا ہے جو اضافہ
آبادی کے سیلاب پر بند کا کام دیتے ہیں ان میں سے بعض اہم چیزوں کا
خلاصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

(الف) دولتمند طبقوں میں غالباً تعیش کے اثر سے بچے کم
پیدا ہوتے ہیں، زیادہ تر اولاد غرباء اور متوسط الحال طبقوں میں ہوتی

ہے، واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ دولتمندی کے پھیلنے سے اضافہ آبادی کی رفتار مدھم ہوجاتی ہے۔

(ب) تعلیم یافتہ طبقے میں دماغی محنت کی کثرت سے نفسانی خواہشیں ضعیف ہوجاتی ہیں اور ایسے لوگوں کو شادی سے رغبت نہیں رہتی، لہذا اشاعتِ تعلیم کے ساتھ ساتھ افزونی آبادی کی روک تھام ہو رہی ہے۔

(ج) جدید ترقی یافتہ ممالک میں مستورات میں کچھ ایسی آزادی پھیلی ہے کہ وہ بال بچوں کے جنجال سے بچکر سیاست اور انتظام ملک میں حصّہ لینا چاہتی ہیں، اور اس پر تعلیم مزید ہے اس وجہ سے ایسی عورتوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو شادی سے گریز کرتی ہیں۔

(د) عاداتِ بد بُری طرح پھیل رہی ہیں جن سے امراضِ خبیثہ نشو ونما پاتے ہیں اور قوّتِ مردمی کو زائل یا کم کر دیتے ہیں۔

(ہ) ہر صدی میں دو چار جنگیں ضرور ہو جاتی ہیں، خصوصیت سے موجودہ آلاتِ حرب کے ایجاد ہونے سے جنگوں میں ہلاک ہونیوالوں کا تناسب بے حد بڑھ چکا ہے،

(و) وبائیں، گوناگوں امراض، زلزلے، طوفان اور حادثات غرض چند در چند کارکن قدرت کی طرف سے ایسے موجود ہیں جو آبادی کی کانٹ چھانٹ کرتے رہتے ہیں۔

پس واضح ہوا کہ آبادی حد سے زیادہ بڑھنے اور ضروریات کے میسر نہ آنے کا خدشہ خلاف قرائن ہے

جو خدا پیدا کرتا ہے وہی سب کی ضروریات کا کفیل ہے[۱]۔

اس کے علاوہ جناب پرمتھ ناتھ بنرجی نے اپنی تالیف[۲] انڈین اکنامکس میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آبادی کے اضافے کا تناسب تشویشناک نہیں ہے، انہوں نے سب سے پہلے ایک معقول دلیل[۳] پیش کی ہے

اضافہ کچھ یوں بھی معلوم ہوتا ہے کہ مردم شماری کا انتظام بمقابل سابق زیادہ منضبط اور مکمل ہو گیا ہے[۴]

اس دلیل کی واقعیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ تمام دنیا میں نیو انگلینڈ کی ماساچوسیٹس ہی ایک ایسی ریاست ہے جہاں صحیح شرحیں مسلسل درج کی جاتی رہی ہیں، دوسرے ممالک میں اس کا پورا اہتمام نہیں ہوا اور وہاں کی شرح پیدائش دوسرے ممالک کے مقابلہ[۵] بہت ادنیٰ ہے، زیادہ سے زیادہ تناسب پیدائش ۶ ء ۲۷ فی ہزار رہا ہے اور اکثر ۲۴، ۲۵ کے درمیان دائر رہتا ہے[۶]

اس کے بعد پرمتھ ناتھ صاحب نے لکھا ہے۔

بقول پروفیسر سینگمین آبادی کے مسئلہ کو صرف تعداد پر ختم نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ اس کو پیداوار کی قوت اور واجبی تقسیم سے بھی بہت کچھ تعلق ہے قانون تقلیل

---

[۱] اصول معاشیات از الیاس برنی باب ۲۸ ص ۷۱۹، [۲] معاشیات ہند ص ۲۹

[۳] دیکھئے ترجمہ اصول معاشیات از ٹاسگ ص ۲۸ ۳ ۵ ۲

حاصل کا پورا پورا عمل صرف زراعت میں ہوتا ہے اور
حقیقی تقابل آبادی اور خوراک میں نہیں بلکہ آبادی اور
دولت میں ہے، اگر آبادی بڑھے اور دولت اپنی سی
مقدار پر قائم رہے یا آبادی کے مقابل اس میں کمتر اضافہ
ہو تو نتیجہ یہی تو لوگ اور بھی زیادہ خستہ حال ہو جائینگے
چنانچہ پچھلے زمانے میں ہندوستان کی یہی حالت
رہ چکی ہے، اس کے برعکس اگر اضافۂ آبادی کے ساتھ
پیداوار اور دولت میں بھی اسقدر ترقی ہوتی رہے تو
ملک میں موجودہ آبادی سے بھی زیادہ لوگ اچھی طرح
بسر کر سکتے ہیں۔"

مذکورہ بحث سے آپ پر واضح ہو چکا ہوگا کہ مالتھس نے جس زمانے
میں مسئلۂ آبادی پیش کیا تھا، اس وقت حالات کچھ اور تھے اور اب کچھ اور
ہیں، اس لئے مالتھس کے مسئلۂ آبادی کو موجودہ زمانے کے سر نہیں
تھوپا جا سکتا۔

البتہ مالتھس کے بعد جس شخص نے اس کے مسئلۂ آبادی کو کچھ ترمیم
کر کے پیش کیا ہے وہ مارشل ہے، اس کا نظریہ ضرور قابلِ غور ہے۔
اس کا خیال ہے کہ انیسویں صدی کے نصف اول میں انگلستان کے
ماہرین معاشیات نے اضافۂ آبادی کا وسائل معاش پر جو بار پڑتا ہے
اس کو بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے، لیکن ان کا یہ مبالغہ ایک

حد تک حق بجانب تھا۔ وہ لوگ یہ کیونکر جان سکتے تھے کہ آگے چلکر وسائل آمدورفت میں ایسی حیرت انگیز ترقی ہوگی کہ دنیا کی زرخیز ترین زمینوں کی پیداوار دور دراز کے ملکوں میں جاکر اسقدر ادنیٰ شرحوں سے فروخت ہوگی انھیں یہ علم کیسے ہوسکتا تھا کہ سائنس کی ترقی سے انسان اپنے محدود وسائل ہی کے ذریعہ اسقدر کام لے سکے گا، لیکن یہ واقعات پیش آئے جس کی وجہ سے مالتھس کا نظریہ کسی قدر قدیم ہوگیا ہے اور اس میں جدید حالات سے مطابقت باقی نہیں رہی،

البتہ اگرچہ اس نظریئے کی شکل قدیم ہوچکی ہے لیکن اپنی اصلیت کے اعتبار سے وہ اب بھی بڑی حد تک صحیح ہے۔

اس کے بعد مارشل نے مسئلہ آبادی کو حسب ذیل طریقے سے بیان کیا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ اضافہ آبادی کا انحصار دو چیزوں پر ہے ایک قدرتی اضافہ یعنے اموات کے مقابلہ میں پیدائش کی کثرت دوسرے توطن۔

قدرتی اضافہ

ان میں سے پہلی چیز یعنے کثرتِ ولادت کا انحصار زیادہ تر ان عادتوں پر ہوتا ہے جو شادی سے متعلق ملک کے باشندوں میں رائج ہوتی ہیں لیکن خود ان عادتوں پر حسب ذیل اسباب کا اثر پڑتا ہے۔

(الف) آب وہوا۔ گرم ممالک کے لوگ جلدی شادی کر لیتے ہیں اور سرد ممالک کے رہنے والے دیر سے۔

(ب) پرورش خاندان کی دقتیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آبادی کے مختلف طبقوں میں شادی کی عمر مختلف ہوتی ہے مثلاً متوسط طبقے کے افراد بہت دیر سے شادی کرتے ہیں، دستکار اور صناع ان سے کسی قدر جلد اور بے مہارت فرد وران سب سے جلد، وجہ صاف ظاہر ہے کہ متوسط طبقوں کو سوسائٹی میں اپنا وقار اور عزت برقرار رکھنے میں بہت روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس وقت تک شادی نہیں کرتے جبتک کہ پرورش خاندان کی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے کافی مقدار میں کما نہ لیں دستکاروں اور صناعوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ وہ بیس اکیس سال کی عمر تک جتنا کما لیتے ہیں، وہی ان کی انتہائی آمدنی ہوتی ہے اسلئے بالعموم وہ اس عمر تک شادی کر لیتے ہیں اور ادنیٰ طبقوں کی کیفیت ان سے بھی دگرگوں ہے، کیونکہ سترہ، اٹھارہ برس ہی کی عمر میں ان کی آمدنی انتہائی حدود کو پہونچ جاتی ہے،

(ج) رسم و رواج:۔ بعض پسماندہ دیہاتی علاقوں میں ابتک یہ قانون ہے کہ صرف بڑے لڑکوں کو شادی کی اجازت دیجاتی ہے، یورپ کے بعض مقامات میں بکثرت یہ قانون رائج ہے، اسی طرح کے دوسرے رسوم و رواج بھی قدرتی مانعات کے علاوہ اضافہ آبادی پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

۲۔ توطن عام مشاہدہ ہے کہ اکثر لوگ خاص کر معاشی اسباب کے زیر اثر اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں جا بستے ہیں اس ہجرت کا بھی ملک کی آبادی پر بسا اوقات گہرا اثر مرتب ہوتا ہے،

پچھلے دنوں انگلستان کی بہت سی آبادی آسٹریلیا میں جا جا کر بسی ہے،[1]

مارشل کے اس نظریہ آبادی کو پیش نظر رکھ کر (جو جدید حالات کے مطابق ہے) آپ خود بخود اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ مارشل کے نزدیک بھی مالتھس کا نظریہ ایک اصل کلی کے اعتبار سے قطعی غلط تھا، وہ کچھ مخصوص حالات ہی تھے جنکے تحت مالتھس نے تحدید نسل کی تجویز پیش کی تھی، اب وہ حالات ختم ہو چکے ہیں،

اب مارشل کے اس نظریہ آبادی سے بھی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ تحدید نسل کی کوئی ضرورت نہیں، جو حالات رونما ہوتے رہتے ہیں ان کا تغیر و تبدل ہی ضبط تولید کے تقاضوں کو پورا کر دیتا ہے، کہیں آب و ہوا کہیں رسم و رواج اور کہیں پرورش خاندان کی دقتیں شادی سے باز رکھتی ہیں اور نتیجۃً اضافہ آبادی سے بھی، اور کسی جگہ خارجی توطن اور ہجرت آبادی میں کمی کرتی رہتی ہے۔

بہر کیف! جن لوگوں نے جذباتی انداز کو چھوڑ کر غیر جانبدارانہ اور سنجیدہ طریقے سے غور و فکر کیا ہے ان کا بیان یہ ہے کہ پورے کرۂ ارض کا آبادی کے لئے ناکافی ہونا ممکن نہیں، اس موضوع پر حال ہی میں "ہفتہ وار ٹائم" کے اندر ایک بہت تحقیقی مضمون شائع ہوا تھا، جس میں دلائل سے

---

[1] مارشل کے نظریہ آبادی کی مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو جناب حبیب الرحمن صاحب کی کتاب "معاشیات" ص ۵، تا ص ۸، مطبوعہ ۱۹۵۳ء

ثابت کیا گیا تھا کہ اضافۂ آبادی سے متعلق یہ جذباتی پیش گوئیاں اور بے سوچے سمجھے اندازے قطعی غلط ہیں، ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو مالتھس کی پیشگوئیوں کا ہوا تھا ـــ اس مضمون کا کچھ خلاصہ ہم افادۂ ناظرین کے لئے پیش کرتے ہیں۔

صاحبِ مضمون نے لکھا ہے کہ یہ پیش گوئیاں کرنے والے سائنس کی ممکنہ ایجادات اور غیر متوقع انقلابات کا اندازہ نہیں کر سکے، جس طرح مالتھس کے زمانے میں آسٹریلیا، افریقہ، اور جنوبی امریکہ میں بڑی بڑی زمینیں خالی پڑی تھیں، اسی طرح موجودہ زمانے میں بھی ایمزن بیسن کے اندر پوری زمین کا بیسواں حصّہ بالکل خالی پڑا ہے، صرف ایتھوپیا کی ۸ کروڑ ایکڑ ایسی زمین غیر مزروعہ پڑی ہے جو تمام دنیا کی سب سے زیادہ زرخیز زمین ہے۔ وہ ایشیا جس میں ہجومِ آبادی کا اتنا شور مچ رہا ہے، اس میں بھی زمین کے بڑے بڑے قابلِ کاشت حصّے غیر مزروعہ ہیں، مثلاً فلپائن کے جزیرہ منڈاناؤ اور جنوبی ویتنام کی مرکزی سطح مرتفع کا پورا حصّہ غیر آباد ہے، جبکہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں دو کروڑ ستر لاکھ ایکڑ زمین جو پہلے زیرِ کاشت تھی صرف اس لئے بیکار چھوڑ دی گئی کہ غذا بہت زیادہ پیدا ہونے لگی تھی۔

اور اگر ان اہم حقائق سے قطع نظر کر کے یہ طے کر لیا جائے کہ ان غیر آباد زمینوں کو کام میں نہیں لایا جائے گا، تب بھی دنیا کی غذائی پیداوار بہت زیادہ بڑھائی جا سکتی ہے۔

سنہ ۱۹۵۹ء میں انڈیا نے تین ارب ڈالر غذا کی درآمد پر صرف کئے تھے

اور اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ پچھلے چند سالوں سے ہر سال تین لاکھ سے ۴ لاکھ ٹن کا غلہ درآمد کر رہا ہے، حالانکہ اگر اس کے ذمہ داروں سے یہ پوچھ لیا جائے کہ انڈیا اپنی پیداوار کو جاپان کی طرح تین گنا کیوں نہیں بڑھا سکتا؟ تو ان کے پاس کوئی معقول جواب نہ ہوگا۔

انڈیا اور جاپان کی زرعی پیداوار کی شرح میں جو تفاوت ہے وہ صرف اس لئے کہ جاپان کا کسان کرم خوردوا، بہترین تخم اور زیادہ کیمیائی کھاد استعمال کرتا ہے، اور اگر انڈیا بھی انہی جیسے محتاط طریقوں پر عمل کرے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسکی پیداوار جاپان کی نسبت سے کم رہے۔

برطانیہ کے معاشی ماہر مسٹر کولن کلارک نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر تمام دنیا اپنی قابلِ کاشت زمینوں کو ایسے موثر طریقے سے کاشت کرے جیسے کہ ہالینڈ کا ہنر مند کسان کرتا ہے تو موجودہ زرعی زمین ۲۸ ارب کی آبادی کو یورپ کے معیارِ زندگی کے مطابق سامانِ غذا مہیا کر سکتی ہے، گویا زمین میں موجودہ آبادی سے تقریباً دس گنا زائد آبادی کے لئے بھی گنجائش[1] ہے۔

پاکستان میں مسئلہ آبادی

آیئے اب ہم دیکھیں کہ خصوصیت سے پاکستان میں مسئلہ آبادی کی کیا نوعیت ہے؟

اس موضوع پر غور و فکر کرنے کے لئے مندرجہ ذیل سوالات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے:۔

[1] ترجمہ از "ٹائم ویکلی نیو یارک" مجریہ ۱۱ جنوری سنہ ۱۹

۱۔ کیا واقعی آبادی کی رفتار زائد ہے ؟
۲۔ وسائلِ معاش کا آبادی کے ساتھ کیا تناسب ہے ؟
۳۔ اگر یہ صحیح ہے کہ وسائلِ معاش اضافۂ آبادی کا ساتھ نہیں دیتے تو کیا ضبطِ ولادت ہی اس مسئلہ کا واحد علاج ہے ؟
۴۔ اگر ضبطِ ولادت کے علاوہ کوئی اور بہتر علاج ممکن ہے تو کیا ؟

اب آپ ان میں سے ہر ایک سوال کا جواب موجودہ حالات کی روشنی میں تلاش کیجئے تو معلوم ہوگا کہ :۔

۱۔ اس میں تو واقعی کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان کی آبادی خاصی رفتار سے بڑھ رہی ہے ، سنہ ۱۹۴۱ء سے سنہ ۱۹۵۱ء تک کے عرصے میں پاکستان کے علاقہ میں ۵ء۱۰ فیصد افراد کا اضافہ ہوا[1]۔ لیکن اس کا بہت بڑا حصہ مہاجرین کی درآمد کا نتیجہ تھا سنہ ۱۹۵۷ء کے وسط میں جو تخمینہ پیش کیا گیا تھا اس کے اندازے کے مطابق چھ سال کے عرصہ میں ہر سال آبادی کے اندر ۴ء۱ فیصد اضافہ ہوا[2] اور سنہ ۱۹۶۱ء کی حالیہ مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق دس سال کے عرصہ میں ہر سال دس لاکھ نفوس بڑھے ، سنہ ۱۹۵۱ء میں کل آبادی ۸ کروڑ کے لگ بھگ تھی اور سنہ ۱۹۶۱ء میں ۹ کروڑ سے بھی زائد ہوگئی ہے۔

[1] دیکھئے Pak Economics by Mr. Afzal p. 241

[2] Essays on Pakistan Economy by Mr. Khurshid Ahmed p. 24

لیکن یہ بھی اپنی جگہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ محض اس اضافے سے بوکھلا کر رقبے اور پیداوار کی گنجائشوں سے آنکھیں بند کر لینا دانشمندی اور سنجیدگی کا تقاضا نہیں، بلکہ پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ملک کا رقبہ کتنے اضافے کی گنجائش رکھتا ہے؟ اس کی پیداوار کہاں تک اضافہ آبادی کا ساتھ دے سکتی ہے؟

۲ - جہاں تک رقبہ کا تعلق ہے اس کی حیثیت سے پاکستان کی آبادی نہ اب تشویشناک ہے اور نہ مستقبل میں اسکی کوئی امید، کیونکہ ماہرین کا اندازہ ہے کہ ایک زراعتی ملک ایک مربع میل میں ۲۵۰ افراد تک کی ضروریات زندگی کو پورا کر سکتا ہے، پاکستان ایک زراعتی ملک ہے (اسکی آبادی کا ۷۶ فیصد حصہ زراعت پیشہ ہے) اور یہاں اوسطاً ایک مربع میل میں ۲۰۸ آدمی بستے ہیں[1]۔ اس لحاظ سے پاکستان میں فی مربع میل ۴۲ افراد کی مزید گنجائش ہے اور یہ گنجائش بہت وسیع ہے

البتہ اگر موجودہ زرعی پیداوار کو دیکھا جائے تو وہ بیشک مزید اضافے کی متحمل معلوم نہیں ہوتی، اگرچہ ہماری زرعی پیداوار کو دیکھا جائے تو وہ آبادی کا ساتھ دے رہی ہے، اور اگر صحیح طریقۂ تقسیم پر عمل کیا جائے تو یہی پیداوار تھوڑے سے بہت مزید اضافہ کی گنجائش بھی رکھتی ہے۔ بڑی اہم پیداوار میں سے ۳۷ لاکھ ۸۵ ہزار دو سو بیس ٹن گندم پیدا ہوتا ہے[2]۔

[1] دیکھیے Essays on Pakistan Economy p. 26

[2] Land and crop statistics of Pakistan 1959

جو متحدہ ہندوستان میں پیدا ہونے والے گندم کے ۴۱ فیصد سے بھی زیادہ[1] ہے چاول کی کل پیداوار ۲۴۰ لاکھ ۱۲ ہزار سے کچھ زائد ہے اور یہ مقدار متحدہ ہندوستان کی پیداوار کا تقریباً ۳۵ فیصد حصہ ہے،

پوری دنیا کا تقریباً ۷۵ فیصد پٹ سن ہمارے ملک میں پیدا ہوتا ہے، غرضیکہ موجودہ پیداوار موجودہ آبادی کے لئے کافی ہے البتہ کسی بڑے اضافہ کی متحمل نہیں۔

۳۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اگر موجودہ پیداوار مزید اضافہ آبادی کی نسبت سے کم ہے تو اس کا واحد علاج ضبطِ ولادت ہی ہے۔ یہ ہرگز مناسب نہیں کہ ہم آبادی کو دانستہ کم کرکے مہلک خطرات کو خود اپنے ہاتھوں مول لے لیں، البتہ آئندہ کی معاشی حالات استوار کرنے کے لئے ہمیں پیداوار بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہیئے۔

رہا یہ کہ وہ کیا ممکنہ طریقے ہیں جن پر عمل کرکے ہم معاشی بحران سے نجات پا سکتے ہیں؟ (یہی چوتھا سوال بھی ہے) سو اس سلسلہ کی مختلف تجاویز اور ممکنہ طریقے ہم آگے ایک مستقل باب کے تحت پیش کریں گے، جن سے آپ پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ ضبط ولادت کی پامال راہ سے الگ کئی پرسکون راہیں بھی ہیں جن پر چلکر ہم ہر مصیبت کا مقابلہ کرسکتے ہیں واللہ الموفق والمعین۔

---

[1] دیکھئے سالنامہ پاکستان مطبوعہ ۱۹۵۱ء

۴۔ تجربہ کیا کہتا ہے؟

مذکورہ حقائق سے پوری طرح واضح ہوچکا ہے کہ ضبطِ ولادت نہ تو شرع اسلام کی کسوٹی پر صحیح ثابت ہوا، اور نہ عقل ہی اسے رواج دینے پر راضی ہے۔ ان منہ بولتے دلائل کے بعد ایک سلیم الفکر انسان کا ذہن سو فیصد اس نتیجے پر پہنچنا چاہیئے کہ ضبطِ ولادت پر عمل کرنا کسی طرح صحیح نہیں،

لیکن افسوس کہ ہم اپنی اس قوم سے مخاطب ہیں جو دو سو سال کے اس المناک پھیر میں آکر اپنی سیاسی عظمتوں کیساتھ ساتھ اپنی تمام فکری صلاحیتیں بھی یورپ کی قربان گاہ پر لٹا چکی ہے، ہماری مرعوبیت اور احساس کمتری اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ ہمارے دل کسی ایسی بات کو جگہ دینے پر آمادہ نہیں ہوتے جو براہِ راست یورپ سے درآمد نہ کی گئی ہو خواہ اس کی صداقت پر قرآن وسنت کے کتنے ہی قطعی دلائل رکھ دیئے جائیں یا خالص عقلی اور ناقابلِ انکار براہین کے ڈھیر لگا دیئے جائیں۔ ہماری نگاہیں اور ہمارے دل ان کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتے بلکہ یہ معلوم کرنے کے لئے بیتاب رہتے ہیں کہ اس بارے میں مالتھس نے کیا کہا؟ نیوٹن نے کیا سوچا؟ برنارڈ شا کا نظریہ کیا ہے؟ اور آخر کار اسی نظریئے کو حرفِ آخر قرار دیتے ہیں جو کسی مغربی مفکر کی دماغی اپج

سے وجود میں آیا ہو، قرآن و سنّت کیا کہتے ہیں؟ عقل کیا پسند کرتی ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو ذہنی تقلید کے اس دور میں "فرسودہ" ہو چکے ہیں۔

اس لئے یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ یورپ کے جن ممالک نے اس طریقے کو رواج دیا انھوں نے اس کا کیا پھل پایا؟ — اور آخر کار انھوں نے اس عمل سے متعلق کیا رائے قایم کی؟ ضبطِ ولادت کی تحریک تقریباً ۷۰، ۸۰ سال سے مغربی ممالک میں سرگرم عمل رہی ہے، اتنی مدّت ایک ایسی تحریک کا راز فاش کرنے کے لئے بالکل کافی ہے جسے مختلف اقوام و ممالک میں کثرت کے ساتھ اشاعت نصیب ہوئی ہو، اور اس کے نتائج کی کئی بار تحقیق کی جا چکی ہو، وہاں اس تحریک کے جو مہلک نتائج برآمد ہوئے ان کی مختصر داستان یہ ہے۔

۱۔ طبقات کا عدم توازن

انگلستان کے رجسٹرار جنرل کی رپورٹوں اور نیشنل برتھ ریٹ کمیشن کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضبطِ ولادت کا رواج زیادہ تر اعلیٰ اور اوسط طبقوں میں ہے زیادہ تر اچھی تنخواہیں پانے والے کارکن، تعلیم یافتہ، اور امراء تجار اور کارخانہ دار اس تحریک پر کاربند ہیں، رہے ادنیٰ درجے کے مزدور وغیرہ تو ان میں اس تحریک کا رواج بدرجہ صفر ہے، نہ ان میں زیادہ شاندار معاشرت کی ہوس ہے اور نہ اونچے حوصلے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ ان کے یہاں ابھی تک وہی قدیم

تقسیم کار یہ ہے کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے، اسی وجہ سے وہ معاشی تنگی اور وسائلِ زندگی کی گرانی کے باوجود برتھ کنٹرول کو ضروری نہیں سمجھتے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان میں شرح پیدائش بہت زیادہ ہے اور اس کے برعکس اعلیٰ اور اوسط طبقوں میں شرح ولادت بہت کم ہے۔

مختلف شہروں کے مختلف طبقوں میں فی ہزار شرح پیدائش حسب ذیل[1] ہے

طبقے	پیرس	برلن	ویانا	لندن	ہیمبرگ
بہت مفلس طبقے	۱۰۸	۱۵۷	۲۰۰	۱۴۷	۱۵۱
مفلس طبقے	۹۵	۱۲۹	۱۶۴	۱۴۰	×
آرام کی زندگی بسر کرنیوالے	۷۲	۱۱۴	۱۵۵	۱۰۷	×
متمول طبقے	۵۳	۶۳	۱۰۷	۸۷	×
بہت متمول طبقے	۳۴	۴۷	۷۱	۶۳	۵۹

یہ اعداد و شمار بھی ذرا پرانے ہیں، انگلستان کے نسبتاً بعد میں آنیوالے اعداد کے مطابق مزید خراب ہے، کیونکہ مفلس طبقوں میں شرح

---

[1] اصول معاشیات ڈاکٹر ٹاسگ بحوالہ کتب مختلف ص ۳۳۸ و ۳۳۹ ج ۲ ۔

پیدائش ۷۰ فی ہزار ہے جبکہ اعلیٰ اور اوسط طبقوں میں صرف ۵۰ فی ہزار ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں جسمانی محنت کرنیوالے طبقے بڑھ رہے ہیں اور ان لوگوں کی تعداد روز بروز گھٹتی جا رہی ہے جو ذہنی اور عقلی اعتبار سے بلند درجہ رکھتے ہیں اور جن میں قیادت و کارکردگی کی صلاحیت ہے۔ یہ چیز قحط الرجال پر منتج ہوگی جس کے بعد کوئی قوم سربلند نہیں رہ سکتی اور اسی چیز کی پیشگوئی ڈاکٹر ایف، ڈبلیو ٹاسگ نے کی تھی۔

> اسی بنا پر خوش حال طبقے میں اس رجحان کی موجودگی سے یہ خطرہ ہے کہ آبادی کی خوبیاں انحطاط پذیر ہو جائیں گی ذہنی قابلیت کے لوگ کم پیدا ہوتے ہیں اور جو کچھ پیدا ہوتے ہیں ان پر اپنی ذہنی استعداد سے پوری طرح کام لینے کے لئے عملی مقابلے کا بطور نتیجہ بہت کم اثر پڑتا ہے، اس کے برخلاف آبادی کے ادنیٰ ترین طبقوں میں شرح ولادت بہت اعلیٰ ہوتی ہے۔ گو ان کی جماعت سے بھی اعلیٰ قابلیت کے چند افراد پیدا ہوتے ہیں لیکن عام جماعت معمولی قابلیت کے افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔"

یہ نتیجہ ہمارے ملک میں زیادہ ظاہر ہوگا۔ اگر خدانخواستہ تیتے

سلہ اصول معاشیات ٹاسگ ص ۲۸ ج ۲ ق ۲

ضبطِ تولید کو یہاں رواج دیا۔ کیونکہ ہماری آبادی کی اکثریت میں "برتھ کنٹرول" کی کوئی خواہش نہیں پائی جاتی جس کا اندازہ اس لطیفے سے کیجئے کہ حال ہی میں "ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ لندن" میں ایک واقعہ بطور کارٹون شائع ہوا تھا، جس میں کہا گیا تھا کہ حکومتِ انڈیا نے ضبطِ ولادت کی طرف ترغیب دلانے کے لئے کچھ اشتہار شائع کئے تھے جس میں ایک طرف تو اس خاندان کی تصویر تھی جس میں صرف ایک میاں بیوی اور ایک دو بچے ہیں اور یہ خاندان خوشحال ہے۔ دوسری طرف اس کے برعکس اس خاندان کا عکس دکھایا گیا تھا جو اولاد کی زیادتی کی وجہ سے پریشان ہے۔ جب یہ اشتہار ملک کے عوام اور دیہات میں پہنچا تو لوگوں نے اس خاندان کو زیادہ پسند کیا جس میں بچے زیادہ ہیں۔

یہ لطیفہ بھی اگرچہ حقیقت کی عکاسی کر رہا ہے لیکن سنجیدگی سے غور کرنے پر بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

برتھ کنٹرول کا رواج تعلیم یافتہ اور شہری لوگوں میں ہو سکتا ہے۔ غیر تعلیم یافتہ اور دیہاتی افراد میں اس رجحان کا پیدا کرنا کسی کے بس میں نہیں، جو قومیں دنیا کی مہذب ترین قومیں کہلاتی ہیں وہ بھی ان لوگوں میں یہ "مہذب طریقہ" رائج نہ کر سکیں

اور پاکستان میں اکثریت انہی لوگوں کی ہے آبادی کا ۷ء ۸۴ فیصد حصہ غیر تعلیم یافتہ اور ۴ء ۸۹ فیصد حصہ دیہاتی ہے، —— اس پر اگر یہاں ضبطِ ولادت کو رواج دیا گیا تو نتیجہ یہ ہو گا کہ تعلیم

یافتہ اور متمدن ذہن رکھنے والی نسلیں اٹھنا بند ہو جائیں گی۔ آبادی کی اکثریت ان لوگوں کی ہوگی جن میں کارکردگی اور جہاں بانی کی صلاحتیں مفقود ہوں گی کیا یہ ایک عظیم نقصان نہیں ؟

۲۔ طلاق کی کثرت آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ ضبط ولادت ازدواجی رشتوں کو کمزور کر ڈالتا ہے، اولاد ہی میاں بیوی کا تعلق برقرار رکھنے میں ایک مضبوط کڑی ہوتی ہے اس کے نہ رہنے کی صورت میں زوجین کے لئے ایک دوسرے سے الگ ہو جانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا، یہی وجہ ہے کہ یورپ میں طلاق کا رواج بکثرت پھیل رہا ہے، اور طلاق حاصل کرنے والوں کی اکثریت ان لوگوں سے تعلق رکھتی ہے جو بے اولاد ہیں۔

۳۔ شرح پیدائش کی کمی سب سے زیادہ اہم نتیجہ یہ ہے کہ جتنی قومیں ضبط ولادت پر کاربند رہیں ان کی شرح ولادت خوفناک حد تک گھٹ گئی۔ یہ تحریک سنہ ۱۸۷۶ء میں برگ و بار لائی اور اس کے بعد سے ان کی شرح پیدائش حیرت انگیز حد تک گھٹتی چلی گئی، مثال کے طور پر انگلستان کو لیجئے، وہاں سنہ ۱۸۷۶ء میں شرح پیدائش ۳۶ر۳ فی ہزار تھی اور سنہ ۱۹۲۶ء ۱۷ر۸ رہ گئی اس سے زیادہ واضح طور پر ضبط ولادت کا نتیجہ معلوم کرنے کے لئے شرح

مناکحت اور شرح پیدائش کا موازنہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ انگلستان میں سنہ ۱۸۷۶ء سے سنہ ۱۹۰۱ء تک شرح مناکحت میں ۶ر۳ فیصد کمی واقع ہوئی لیکن شرح پیدائش ۵ر۲۱ فیصد کم ہوگئی، سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۱۳ء تک شرح نکاح بدستور قایم رہی مگر شرح پیدائش میں ۵ر۱۶ فیصد کمی واقع ہوئی، سنہ ۱۹۱۲ء سے سنہ ۱۹۲۶ء کے درمیان مختلف ممالک میں شرح مناکحت اور شرح پیدائش کا جو تناسب پایا گیا ہے اس کا حال ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا۔

ممالک	شرح نکاح	شرح ولادت
فرانس	۶ر۷ فیصد اضافہ	۲ر۲۸ فیصد کمی
جرمنی	۴ر۹ فیصد کمی	۴ر۲۹ ″ ″
اٹلی	۸ر۹ فیصد کمی	۱ر۲۹ ″ ″
ہالینڈ	۳ر۱۰ ″ ″	۶ر۳۵ ″ ″
سوئڈن	۳ر۱۱ ″ ″	۱ر۴۵ ″ ″
ڈنمارک	۳ر۱۲ ″ ″	۶ر۳۵ ″ ″
انگلینڈ اور ویلز	۳ر۱۳ ″ ″	۰ر۵۱ ″ ″
ناروے	۰ر۲۶ ″ ″	۰ر۳۸ ″ ″

شرح پیدائش کی روز بروز کمی کے باوجود ان ملکوں میں آبادی کا

جو اضافہ ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ فنِ طب کی ترقی اور حفظانِ صحت کی تدابیر نے شرح اموات کو بھی بڑی حد تک کم کر دیا ہے، ان ممالک کی آبادی میں حیرت انگیز اضافہ دیکھ کر مالتھس نے سنہ ۱۹۰۰ء میں اپنی تھیوری پیش کی تھی اور یہی وہ سال ہے جس میں چیچک اور دوسرے امراض کے لئے ٹیکہ ایجاد ہوا، بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد جو ایک عظیم طوفان آیا تھا اس میں ۵۰ فیصد افراد کے بچ رہنے کا ظاہری سبب محض یہ تھا کہ انھیں بروقت طبی امداد پہنچا دی گئی[1] لیکن بہرحال برتھ کنٹرول کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرح پیدائش اور شرح اموات میں بہت کم تفاوت رہ گیا اور اگر ضبطِ تولید کے ساتھ ساتھ حفظانِ صحت کو یہ ترقی نہ ہوتی تو خطرہ تھا کہ شرح اموات شرح ولادت سے زیادہ نہ ہو جائے۔

خصوصیت کے ساتھ فرانس کی حالت تو بے حد نازک تھی سنہ ۱۸۷۶ء میں اس کی شرح پیدائش ۲۶.۲ تھی، اس کے بعد سے سنہ ۱۹۴۱ء تک متواتر بڑی خوفناک حد تک گھٹتی چلی گئی یہاں تک کہ سنہ ۱۹۴۱ء میں شرح پیدائش ۱۲.۵ اور شرح اموات ۱۵.۷ تھی، اس صورتِ حال کو دیکھ کر بعد از خرابی بسیار فرانسیسی قوم کی آنکھ کھلی وہاں کے تمام دانشور چیخ اٹھے کہ ع

بس بس ساقی اور نہ بھرنا لگ گئے لگ گئے ہوش ٹھکانے

---

[1] ٹائم ڈیلی ارجنوری سنہ ۱۹۶۰ء

ایک تحریک "تحریک قومی برائے اضافۂ آبادی"
کے نام سے شروع کی گئی، حکومت نے ضبطِ تولید کی تعلیم اور نشر و اشاعت کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا۔ آبادی بڑھانے کے لئے تقریباً ایک درجن موزبین نافذ کئے گئے جن کی رو سے زیادہ بچے پیدا کرنیوالے خاندانوں کو مالی امداد دی گئی، ٹیکس میں کمی کی گئی، تنخواہیں، مزدوریاں، اور پنشنیں زیادہ دی گئیں، غرض قانونی اور اخلاقی طور سے برتھ کنٹرول کے خلاف ترغیب و ترہیب کے ہر ممکن پہلو کو اختیار کر کے بڑی مشکل سے حکومت نے شرحِ پیدائش کی کمی پر قابو پایا اور اب وہاں خاندانی منصوبہ بندی نے ضبطِ ولادت کے بجائے یہ رُخ اختیار کر لیا کہ ایک خاندان کو حکومت نہ صرف بچے کی خوراک، رہائش اور پرورش کے لئے امداد دیتی ہے بلکہ وہ اسکی پیدائش کے [illegible] بہت پہلے سے اس کے بارہ میں فکر شروع کر دیتی ہے اور بعض اوقات یہ فکر بچے کے پیدا نہ ہونے کی صورت میں بھی کیا جاتا ہے، جب کوئی جوڑا رشتہ [illegible] کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے شادی سے پہلے طبی معائنہ کروانا پڑتا ہے اور ڈاکٹر فیصلہ کرتا ہے کہ آیا وہ باہم مل کر صحتمند بچے پیدا کرنے کے قابل ہیں یا نہیں، پھر جب شادی کے بعد انہیں بچے کی نعمت کے حصول کی امید ہو جاتی ہے تو حاملہ ماں ڈاکٹروں کے حوالے ہو جاتی ہے جو اس کے بچے کی پیدائش بلکہ اس کے بعد تک اس کی ہر حالت کے ذمہ دار ہوتے ہیں بچے کے پیدا ہونے کے بعد سولہ سال تک ہر بچے کو لازماً اسکول میں داخل کر کے مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

سنہ ۱۹۴۶ء سے ہر سال شادی شدہ یا غیر شادی شدہ شخص جو بچوں کا کفیل و ذمہ دار ہو اُسے الاؤنسوں کا فائدہ دیا جاتا ہے۔ متعلقہ بچوں کا ماں باپ ہونا بھی لازمی نہیں، اصل چیز یہ ہے کہ وہ اپنے زیر پرورش بچے کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں، ۷ ہزار انسپکٹر اور ڈاکٹر اور ۱۴ ہزار سماجی کارکن قانونی والدین کی مانند ان لوگوں کے بارہ میں بھی جانچ پڑتال کرتے رہتے ہیں، بچوں کی تعداد کے مطابق رہائش کی سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں ٹیکسوں میں رعایت دی جاتی ہے، اور کئی قسم کی دوسری سہولتیں بھی مہیا کی جاتی ہیں،

خصوصاً ٹرانسپورٹ میں بس اور ٹرین کے کرائے اور اولیت کارڈ (priority card) انھیں ملجاتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ لائنوں میں کھڑے پاگل ہوجاتے ہیں[1]۔

ان تمام قوانین کے نافذ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ شرح پیدائش میں اضافہ شروع ہوا، سنہ ۱۹۴۷ء کے عالمی اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرانس کی شرح ولادت ۲۱.۰۰ فی ہزار اور شرح اموات ۱۲.۲ فی ہزار ہے۔

کم و بیش یہی کیفیت جرمنی اور اٹلی میں پیش آئی سنہ ۱۸۷۰ء میں جرمنی کی شرح پیدائش ۴۰.۹ فی ہزار اور اٹلی کی ۳۹.۲ فی ہزار تھی پھر تقریباً

---

[1] ہفت روزہ شہاب لاہور ۴ دسمبر سنہ ۶۹ء

سنہ [illegible]ء تک مسلسل گھٹتی چلی گئی یہاں تک کہ سنہ [illegible]ء میں جرمنی کی شرح پیدائش صرف ۹ر۱۵ رہ گئی ۔

لیکن چونکہ نازی جماعت کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد اس خطرے کو محسوس کیا گیا کہ اگر ہماری شرح ولادت گھٹتی رہی تو اندیشہ ہے کہ ایک وقت ہماری قوم بالکل بانجھ ہو کر رہ جائے گی اور موجودہ نسل کے کاموں کو سنبھالنے کے لئے نئی نسلیں اٹھنا بند ہو جائیں گی، اس لئے حکومت نے ضبطِ ولادت کی تعلیم و ترویج کو قانوناً روک دیا، عورتوں کو کارخانوں اور دفتروں سے نکال دیا، نوجوانوں کو نکاح کی طرف رغبت دلانے کے لئے قرضہ شادی کے نام سے رقمیں دی گئیں، سنہ ۱۹۳۴ء میں ایک کروڑ پونڈ کی رقم صرف شادی کے قرضوں پر صرف ہوئی، جس کے ذریعہ ۶ لاکھ مردوں اور عورتوں نے فائدہ اٹھایا، سنہ ۳۵ء کے قانون کی رو سے طے کیا گیا کہ ایک بچہ پیدا ہونے پر انکم ٹیکس میں ۱۵ فیصد ۲ بچوں پر ۳۵ فیصد، ۳ بچوں پر ۵۵ فیصد، ۴ بچوں پر ۷۵ فیصد ۵ پر ۹۵ فیصد کی کمی کی جائے اور ۶ بچے ہونے پر پورا انکم ٹیکس معاف کر دیا جائے ۔

اٹلی میں بھی یہ تمام تدابیر اختیار کر کے شرح پیدائش کی کمی کے اس عظیم نقصان کا تدارک کیا گیا ۔

چنانچہ سنہ ۱۹۳۸ء کے اعداد و شمار سے عیاں ہے کہ اسکی شرح ولادت گھٹنے کی بجائے بڑھنا شروع ہو گئی ۔

مذکورہ سال تک اس کی شرح ولادت ۵ر۱۹

فی ہزار تھی۔[1]

۴۔ جنسی بد چلنی اور امراض کی کثرت

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ضبطِ ولادت کا طریقہ طبی لحاظ سے بھی صحت کے لئے سخت مضر ہے، اور جنسی بے راہ روی بھی اس فعل کا لازمی نتیجہ ہے، اس لئے یہ دونوں چیزیں ان ممالک میں بکثرت پائی گئیں، ڈاکٹر میری شارلیپ اپنے چہل سالہ تجربات کے نتائج ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں۔

"ضبط ولادت کے طریقے خواہ وہ فرنچ ہوں یا جراثیم کش دوائیں، یا ربر کی ٹوپیاں یا دوسرے طریقے، بہرحال ان کے استعمال سے کوئی فوری نمایاں نقصان تو نہیں ہوتا لیکن ایک عرصہ تک ان کے استعمال کرتے رہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادھیڑ عمر تک پہنچتے پہنچتے عورت میں عصبی ناہمواری پیدا ہو جاتی ہے، پژمردگی،

---

[1] اس سلسلہ میں ۱۸۸۰ء سے ۱۹۲۳ء تک کے اعداد و شمار مودودی صاحب کی کتاب "اسلام اور ضبطِ ولادت" سے ماخوذ ہیں، اور بعد کے انگریزی کتاب "پاک اکنامکس" ص ۸۴ سے، انھوں نے بین الاقوامی اعداد و شمار سے نقل کر کے بیان کئے ہیں۔

شگفتگی کا فقدان، افسردہ دلی طبیعت کا چڑچڑا پن اور اشتعال پذیری، غمگین خیالات کا ہجوم، بے خوابی، پریشان خیالی، دل و دماغ کی کمزوری، دورانِ خون کی کمی، ہاتھ پاؤں کا سُن ہو جانا، جسم میں کہیں کہیں ٹیسیں اٹھنا، ایام ماہواری کی بے قاعدگی، یہ ان طریقوں کے لازمی اثرات ہیں[1]۔

علاوہ بریں چونکہ ضبطِ ولادت کے رواج عام نے ناجائز اولاد کی پیدائش کے خوف کو باقی نہیں رکھا، اور حیاء و شرم کا خاتمہ بہت پہلے ہو چکا ہے، اس لئے جنسی جرائم کی کثرت ایک لازمی نتیجہ ہونے کی حیثیت سے سامنے آئی۔

چنانچہ انڈیانا یونیورسٹی کے ماہر جنسیات پروفیسر الفریڈ سی کنزے کا بیان ہے کہ:۔

امریکہ میں سو سے ۹۵ مرد اور ۸۵ فیصد عورتیں جنسی جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں[2]۔

اور کون نہیں جانتا کہ جنسی جرائم کی اسقدر کثرت صحت اور اخلاق کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

---

[1] اسلام اور ضبط ولادت ص ۵۳

[2] روزنامہ جنگ مجریہ ۹ اگست ۱۹۵۳ء

غرض آج سے بہت پہلے انگلینڈ، فرانس، جرمنی، اٹلی اور سویڈن جیسی قومیں فطرت سے غداری کا عبرت ناک انجام دیکھ چکی ہیں، پھر بھی اگر ہم یونہی سوچتے رہیں کہ چونکہ ان "عظیم اقوام" نے اس پر عمل کیا ہے اس لئے ہم بھی کریں گے، تو ہماری مثال اس بیوقوف سے مختلف نہ ہوگی جو کسی پہلوان کو کنوئیں میں ڈوبتا دیکھ کر بھی یہ سمجھے کہ اس نے ورزش کی ہوگی لہٰذا خود بھی ڈوب مرے۔

حامیانِ ضبطِ ولادت کے دلائل

اب ذرا ایک نظر ان دلائل پر بھی ڈال لیجئے جو حامیانِ ضبطِ ولادت اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

شرعی دلائل

(۱) جو حضرات ضبط ولادت کے حامی ہیں، ان سے جب اس مسئلہ پر مذہبی زاویۂ نگاہ سے گفتگو کی جاتی ہے تو وہ اپنی دلیل میں جھٹ وہ حدیثیں سنا دیتے ہیں جن سے عزل (coitus Interruptus) کا جواز معلوم ہوتا ہے، مثلاً حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث ذیل[1]:-

کنا نعزل علٰی عھد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فبلغ ذلک نبی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلم ینھنا عنہ

ہم رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں عزل کیا کرتے تھے تو اس کی اطلاع آپ کو ہوتی، مگر آپ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔

---

[1] صحیح مسلم ص ۴۶۵ ج ا

لیکن کتنی افسوس ناک بات ہے کہ یہ حضرات ان حدیثوں کو قطعی نظر انداز کر جاتے ہیں جن سے عزل کرنا جائز ہونا عیاں ہو جاتا ہے۔

"شرعی حیثیت" کے باب میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ہر قسم کی احادیث کو پیش نظر رکھ کر کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے؟ یہ ایک زبردست اصولی غلطی ہے کہ محض ایک دو حدیثوں کو دیکھ کر کوئی فیصلہ کن رائے قایم کر لی جائے، ساحلِ سمندر پر کھڑے ہو کر پانی کی گہرائی کا اندازہ کرنا حماقت ہے۔ اس کی گہرائی اور وسعتوں کا حال ان سرفروشوں سے پوچھیے جو اپنی جان پر کھیل کر فلک آسا موجوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور گوہر مراد حاصل کر کے ہی چھوڑتے ہیں وہ علماء جنھوں نے حصولِ علم میں اپنی زندگیاں صرف کی ہیں انھوں نے ان احادیث سے چھان بین کر جو نتیجہ نکالا ہے وہ آپ کو شروع ہی میں معلوم ہو چکا ہے، آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان کا نکالا ہوا نتیجہ اس باب میں زیادہ معتبر ہوگا یا ان کا جنھوں نے ایک دو حدیثوں پر سطحی انداز میں نظریں دوڑائیں اور فتویٰ صادر کر دیا؟

اس اصولی جواب کے بعد اطمینان خاطر کے لئے خاص اس مسئلہ جزئی جواب بھی سمجھ لیجئے۔

جس زمانے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عزل کی اجازت دی اس میں اہل عرب مختلف اغراض کے ماتحت انفرادی طور پر عزل کیا کرتے تھے۔

(۱) ایک یہ کہ باندی سے اولاد نہ ہو، تاکہ گھر کے کام کاج میں حرج نہ پیش آئے۔

(۲) دوسرے یہ کہ باندی ام ولد نہ بن جائے تو پھر اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا پڑے گا، کیونکہ ام ولد کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔

۳۔ زمانۂ رضاعت میں حمل نہ ٹھہر جائے، کیونکہ اس سے اہلِ عرب کو شیرخوار بچے کی صحت پر بُرا اثر پڑنے کا اندیشہ ہوتا تھا۔

پھر چونکہ عزل ناپسندیدہ ہونیکے ساتھ ساتھ جائز بھی تھا، بشرطیکہ اس سے کوئی غیر شرعی یا ناجائز چیز مقصود نہ ہو، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا، ہاں اگر صحابہ کرام کا اس فعل سے مقصد کوئی ایسی چیز ہوتی جو شریعت کی نگاہ میں غلط ہو تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسے ضرور منع فرماتے۔

اس بات پر اس واقعہ سے روشنی پڑتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں، آپ نے پوچھا کہ "ایسا کیوں کرتے ہو؟" اس نے عرض کیا کہ میرا ایک بچہ ہے جس کو وہ دودھ پلاتی ہے، مجھے خطرہ ہے کہ حاملہ ہو گئی تو اس کا دودھ بچے کو مضر ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ اہلِ فارس اور اہلِ روم ایسا کرتے ہیں مگر ان کے بچوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔[1]

---

[1] حیرت ہے کہ بعض حضرات نے اسی حدیث کے اس طریق سے ضبطِ تولید کے

اس واقعہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فوراً جائز یا ناجائز ہونیکا فتویٰ نہیں دیا بلکہ سائل سے دریافت فرمایا کہ اس سے تمہارا منشا کیا ہے ؟ ——— پھر چونکہ اس کا مقصد کوئی ناجائز کام نہ تھا، البتہ اسے دوسرے لوگوں کے تجربے سے فضول ضرور کہا جا سکتا تھا، اس لئے آپ نے اس کا فضول ہونا واضح فرمایا اور اشارۃً کراہت کا اظہار فرمایا۔

اب آپ کی عقل خود بخود اس نتیجے کو پا سکتی ہے کہ اگر عزل کرنیوالے کا مقصد کوئی ناجائز اور نصوصِ شرعیہ کے خلاف ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسے ضرور روکتے۔

اس توضیح سے یہ بات تو صاف ہوگئی کہ جن حالات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عزل کی اجازت منقول ہے ان سے موجودہ تحریک ضبطِ ولادت پر عمل کرنے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اول تو اس لئے کہ ان کا مقصد صحیح تھا، دوسرے اس لئے کہ اس زمانہ میں انفرادی حیثیت سے

جواز پر استدلال کیا ہے جو مسند احمد میں ہے۔ "اخاف علیٰ ولدھا" کا مطلب یہ سمجھا گیا کہ کہیں اسے مفلسی لاحق نہ ہو جائے حالانکہ جو شخص حدیث سے کچھ بھی مس رکھتا ہو، ایسی فاش غلطی نہیں کر سکتا، اس لئے کہ حضور کے جواب "لو کان ضاراً ضر فارس والروم" نے یہ مطلب متعین کر دیا ہے کہ "خوف علی الولد" سے مراد یہ ہے کہ زمانہ رضاعت میں حمل ٹھہر جانے سے شیر خوار بچے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، ورنہ اس جواب کا کوئی

یہ کام کیا جاتا تھا، کسی اجتماعی تحریک کی شکل نہ تھی، رہا یہ کہ ضبطِ ولادت کا موجودہ مقصد اسلامی اصولوں کے مطابق ہے یا نہیں ؟ سو اس کا جواب مندرجہ ذیل قرآنی آیات سے واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔

(۱) لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم الخ — اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو ہم تمھیں بھی رزق دینگے اور انھیں بھی۔

(۲) وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا یعلم مستقرھا ومستودعھا — زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو، وہ ان کے عارضی اور مستقل ٹھکانوں کو جانتا ہے۔

(۳) وان من شیٔ الا عندنا خزائنہٗ وما ننزلہٗ الا بقدرٍ معلوم — کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور ہم اسے ایک مخصوص انداز ہی سے اتارتے ہیں۔

ان آیتوں سے غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ رزق کا تمام انتظام وانصرام قادر مطلق نے اپنے ذمہ کیا ہوا ہے، وہی ہے جو نہ صرف انسانوں بلکہ کائنات کی ہر جاندار شے کی ضروریات کو ملحوظ نظر رکھ کر آبادی اور پیداوار کو گھٹاتا بڑھاتا ہے۔

غور کیا جائے تو یہ رب کائنات کا ایک عظیم احسان ہے، ورنہ

اگر یہ کام بھی انسانوں ہی کے سر ڈالا جاتا تو ایک افراتفری مچ جاتی، بیچارے انسان کا محدود علم تمام کائنات کے ذرے ذرے پر کیسے محیط ہو سکتا تھا کہ وہ ہر شے کے وسائلِ رزق مہیا کرنے کا انتظام کرتا، گزشتہ صفحات سے یہ واقعہ بے نقاب ہو چکا ہے کہ وہ بیچارہ تو کھانے پینے والوں میں ذراسی زیادتی دیکھکر بوکھلا جاتا ہے، اس کے ہوش و حواس پیداوار کی ان امکانی وسعتوں کا ادراک نہیں کر پاتے جو اس کے علیم و خبیر خالق نے زمین کے سینے میں ودیعت کی ہیں۔

بہر کیف! جب قادرِ مطلق نے ہر جاندار چیز کا رزق مجموعی طور پر اپنے ذمہ کیا ہوا ہے، تو اس نحیف و ناتواں انسان کے پاس ایسا کیا سامان ہے جس کے بل پر وہ خدائی تدبیر میں دخل دینے نکلا ہے اور اس عظیم الشان کام کو اپنے ذمے لے رہا ہے جسے انجام دینے کی سکت خدا کے سوا کسی میں نہیں؟

ایک غلط فہمی کا ازالہ

جب حامیانِ ضبطِ ولادت کے سامنے لا تقتلوا اولادکم الخ والی آیت پڑھی جاتی ہے تو وہ قتلِ اولاد اور ضبطِ ولادت میں فرق سمجھانے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس آیت میں اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے، ضبط تولید سے نہیں اور ایک معمولی سی گٹھلی ضائع کرنے والے پر پورے درخت کا تاوان عائد نہیں کیا جا سکتا۔

حالانکہ یہ بڑی غلط فہمی ہے، قرآن نے صرف لا تقتلوا اولادکم

پر بات ختم نہیں کی، آگے کی عبارت کا اضافہ فرما کر ایک مستقل کلیہ کی طرف رہنمائی کی ہے اس سے قطع نظر کرنا لا تقربوا الصلوٰۃ کے لطیفے سے کم نہیں، باری تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔

خشیۃ املاق　　　　مفلسی کے خوف سے

پھر آگے اس کی علت بھی ارشاد فرمائی

نحن نرزقھم وإیاکم　　　　ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی

اس کلام میں ذرا سا غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ تحدید نسل سے متعلق ہر وہ کام جو مفلسی کے خوف سے کیا جائے ناجائز ہے۔

اس بات کی مزید وضاحت کے لئے اس پہلو سے غور کیجیے کہ اولاد کو قتل کرنا تو بہر صورت ناجائز ہے، خواہ مفلسی کے خوف سے ہو یا کسی اور نیت سے۔ آگے "خشیۃِ إملاق" اور "نحن نرزقھم الخ" کا اضافہ کرنے سے یہ مقصد تو نہیں ہو سکتا کہ مفلسی کے خوف سے اولاد کا قتل کرنا جائز ہے اور کسی اور مقصد سے جائز۔ پھر اس کا کیا مقصد ہے؟

دراصل اس جملے کو بڑھا کر معجزانہ انداز میں اس تخیل باطل کی بیخ کنی کر دی گئی ہے جس کے تحت انسان رزق کی فراہمی کو صرف اپنے جبروت سمجھتا ہے اور قدرت کی خدائی میں دخل انداز ہوتا ہے ——

خدائے تعالےٰ نے اس واضح پیرایہ میں فرمادیا کہ تخیل ہی سرے سے غلط ہے

کہ آبادی کی زیادتی مفلسی پیدا کرتی ہے، لہٰذا تحدید نسل خواہ قتل اولاد کے ذریعہ ہو یا جراثیم کشی کے ذریعہ، اگر مفلسی کے خوف سے ہے تو بہر صورت ناجائز ہے۔

(۲) ان دلائل کے علاوہ حامیانِ ضبطِ ولادت ایک اور عجیب انداز سے استدلال کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ[۱]:

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر دعا فرمایا کرتے تھے کہ میں فلاں فلاں چیز سے اور جہد البلاء سے پناہ مانگتا ہوں، صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ جہد البلاء کیا چیز ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا "قلۃ المال وکثرۃ العیال"

اس میں سب سے پہلے تو ہمیں اس بات پر حیرت اور افسوس ہے کہ جہد البلاء کی تفسیر خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کر کے بیان کی گئی ہے۔ حالانکہ ذخیرۂ احادیث میں بلیغ جستجو کے باوجود کہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس لفظ کی تشریح نہیں ملتی، بلکہ حضرات محدثین، قلۃ المال وکثرۃ العیال کی تفسیر کو اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ جیسے عام طور پر

[۱] یہ استدلال جناب خالد محمد خان نے اپنے عربی رسالے من ھنا نبدأ میں ذکر کیا ہے انھیں کی اتباع میں بعض پاکستانی حضرات بھی اسی کو لئے بیٹھے ہیں،

ضعیف کی طرف اشارہ سمجھا جاتا ہے، مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ اسکی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

جہد البلاء وہ حالت ہے کہ جس پر موت کو ترجیح دی جائے اور بعض لوگوں کو خیال ہے کہ وہ مال کی قلت اور عیال کی کثرت ہے[1]۔

اگر یہ تفسیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہوتی تو یہی متعین تھی، اس کی تشریح میں علماء کے اختلاف کے تو کوئی معنی ہی نہیں، اور اگر اختلاف ہوتا بھی تو اس قول کو تضعیف کے الفاظ میں ہرگز ذکر نہ کیا جاتا، امام نووی اس کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

رہا جہد البلاء سو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے اس کی تفسیر مال کی کمی اور عیال کی کثرت سے کی ہے اور ان کے سوا سب نے کہا ہے کہ یہ وہ حالت ہے جو شاق گزرے[2]۔

اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے یہ تفسیر مروی ہے مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوتی تو ابن عمر کے بجائے آپ کا حوالہ دیا جاتا۔

[1] حاشیہ بخاری کتاب الدعوات ص ۹۳۹ ج ۲

[2] منہاج شرح مسلم ص ۳۴۷ ج ۲

دوسرے اگر اس تفسیر کو صحیح مان لیا جائے (کیونکہ ابن عمرؓ سے مروی ہے) تو مال کی کمی اور کثرتِ عیال سے پناہ مانگنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس خوف سے ضبطِ تولید جائز ہو ـــــ اس کو مثال کے ذریعہ یوں سمجھ لیجئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواقع پر بڑھاپے سے پناہ مانگی ہے، لیکن ساتھ ہی دوسری حدیث میں بڑھاپے کے فضائل بیان فرمائے ہیں، دونوں میں بظاہر تعارض سا معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت بات یہ ہے کہ بڑھاپا واقعی ایک پناہ مانگنے کے لائق مصیبت ہے البتہ اگر یہ مصیبت آپڑے تو جس شخص پر پڑی ہے اسے اللہ تعالےٰ وہی اجر عطا فرماتے ہیں جو دوسری مصیبتوں سے ملتے ہیں، تکلیف پہونچنے سے کون پناہ نہیں مانگتا؟ لیکن پہنچ جائے تو وہی باعثِ ثواب بھی ہے، ـــــ اس سے بھی زیادہ واضح مثال یہ ہے کہ بخار فی نفسہٖ ایک بری چیز ہے اس سے پناہ مانگنی چاہیئے، لیکن جب کسی کو بخار آجائے تو شرعاً بھی اور عقلاً بھی اس پر واویلا کرنا درست نہیں بلکہ صبر سے کام لیا جائے تو یہ دنیوی مصیبت ایک دینی نعمت سے تبدیل ہوجاتی ہے، ـــــ ایکسیڈنٹ سے زخمی ہونا ایک مصیبت ہے لیکن اس کے خوف سے گھر سے نکلنا ہی بند کردینا حماقت سے زیادہ نہیں۔ یہی حال بعینہٖ اس موقعہ پر ہے کہ دراصل مال کی کمی اور عیال کی کثرت ایک آزمائش کا موقعہ ہے جس سے پناہ مانگنی ہی چاہیئے۔ لیکن اگر کبھی ایسا ہوجائے تو اس کو ہنسی خوشی برداشت کرنا چاہیئے۔

ضبط ولادت کرکے بے صبری کا مظاہرہ صحیح کام نہیں، چنانچہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دوسری احادیث میں فقر کے فضائل بھی بیان فرمائے ہیں،

(۳) بعض حضرات نے ایک اور دلیل بہت زور شور سے پیش کی ہے کہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ دودھ پلانے والی حاصل کرنے پر قدرت نہ ہو تو اس کے خوف سے عزل کرنا جائز ہے۔

اس دلیل سے بھی موجودہ تحریک ضبط تولید پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ اس جزیئے کا حاصل یہ ہے کہ ظہور حمل سے قبل اگر عورت کا دودھ منقطع ہوگیا، اور ہونیوالے بچے کا باپ فی الحال دودھ پلانیوالی کے حصول پر قادر نہیں، تو بچے کی ہلاکت کے تمام اسباب موجود ہیں، یہ انفرادی حیثیت سے ایک معقول عذر ہے، ایسے حالات میں عزل جائز ہے بخلاف زیر بحث صورت کے کہ اس میں اسباب ہلاکت موجود نہیں موہوم ہیں یہ سب خیالات واوہام ہیں کہ آبادی زیادہ بڑھ گئی تو سب خیالات واوہام ہیں کہ آبادی زیادہ بڑھ گئی تو سب مفلس ہو جائیں گے، معاشی تنگی پیدا ہوجائے گی پھر یہاں تو پوری دنیا سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم نے برتھ کنٹرول نہ کیا تو بچے بھی مفلس ہوجائیں گے اور تم بھی اسی خیال کا خاتمہ قرآن نے نحن نرزقھم وایاکم فرما کر کیا ہے۔

عقلی دلائل اور ان کے جوابات

حامیان ضبط ولادت کا سب سے بڑا عقلی استدلال تو

وہی ہے کہ آبادی بہت زائد ہو چکی ہے اور اگر تولید پر کوئی ضابطہ قانون مقرر نہ کیا گیا تو معاشی حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے،

اس دلیل پر گزشتہ صفحات میں ہر پہلو سے مکمل بحث کی جا چکی ہے قارئین پر واضح ہو چکا ہوگا کہ یہ دلیل کسقدر سطحی اور خلاف واقعہ ہے اس لئے اس دلیل پر مزید بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۲) اس کے علاوہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ آبادی زیادہ ہو جاتی ہے تو قدرت خود توازن پیدا کر لیتی ہے، لیکن یہ توازن پیدا کرنا موت کے ذریعہ ہوتا ہے، اور وہ ایک تکلیف دہ ذریعہ ہے، قدرت کو یہ توازن پیدا کرنے کیوں دیا جائے؟ انسانوں کو پیدا کر کے جنگ یا وبا سے ختم کرانا بہتر نہیں، بہتر یہ ہے کہ جراثیم حیات کو پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔

یہ دلیل اس وقت تو صحیح ہو سکتی تھی جبکہ برتھ کنٹرول کے طریقے ضبط تولید کے ساتھ ساتھ "ضبط موت" کا فائدہ بھی دیتے ہوں، اور جب پیدائش تو گھٹتی چلی جائے لیکن موت کا اٹل قانون بدستور ہے تو کیا اس وقت بھی یہ دلیل کارآمد ہو سکتی ہے؟ —— اس وقت تو آبادی کی مثال اس خزانے سے مختلف نہ ہوگی جس آمدنی گھٹتی چلی جائے اور خرچ بدستور رہے آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسا خزانہ کب تک بھرپور رہ سکتا ہے؟ پھر اس دلیل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ قدرت نے توازن پیدا کرنے کا جو ذریعہ اختیار کیا ہے وہ معاذ اللہ مضر ہے، اور انسانی ذہن سے نکلا ہوا طریقہ مفید، کیا یہ بنیاد کھوکھلی نہیں؟

اوّلاً تو آپ کے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے کہ جب وقت آبادی بڑھے گی اس وقت قدرت اس میں توازن پیدا کرنے کے لئے موت ہی کو کام میں لائے گی، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ از خود کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرے جو مضر نہ ہو؟ اگر نہیں تو وہ قدرت کہاں رہی؟ اور اگر قادر ہے تو ہمیں اپنی حدود اختیار سے تجاوز کی کیا ضرورت ہے؟

قدرت نے یہ کام اپنے ذمہ کیا ہے، خود ہی اسے اچھے انداز میں انجام دے گی، ثانیاً اگر یہ کام آپ اپنے ذمہ لیں تو آپ کے پاس آبادی کی حدِ مناسب مقرر کرنے کا کوئی معیار ہے؟ اگر بالفرض ہے تو کیا آپ اس کے مطابق بچے پیدا کرنے پر قادر ہیں؟ قیاس کی ضرورت نہیں، تجربہ بتلاتا ہے کہ جو قومیں مہذب کہلاتی ہیں، اور سائنٹفک ترقیات میں آپ سے بہت آگے ہیں، وہ بھی ایسی کوئی حدِ مناسب نہیں مقرر کر سکیں، جب برتھ کنٹرول کے نتیجے میں لوگوں کے اندر خود غرضانہ ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے تو آبادی کی کمی کو ایک حد پر روکے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۱۹۵۶ء میں سرخ چین نے بہت زور شور کے ساتھ برتھ کنٹرول کی مہم شروع کی لیکن جب ۱۹۵۸ء تک اس کے نقصانات سے دو چار ہوئے تو حکومت اور گرجاؤں نے ملکر کارل مارکس کا نظریہ اختیار کر لیا کہ اضافہ آبادی خوش حالی کا باعث ہے، اس کے بعد جب عوام میں برتھ کنٹرول کے خلاف تبلیغ شروع کی، تو عوام پر کچھ اثر نہ ہوا یہاں تک کہ عیسائیوں کا پروٹسٹنٹ فرقہ جو برتھ کنٹرول کا زبردست حامی تھا اس نے بھی اسکے

خلاف احکام جاری کر دیئے، اس سے بھی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو فوجی قانون نافذ کئے گئے اس پر بھی اضافہ آبادی میں بہت کم کامیابی حاصل کی[۱]

(۳) کہا جاتا ہے کہ محدود آمدنی رکھنے والے ماں باپ اپنے بچوں کے لئے عمدہ تعلیم و تربیت، خوشگوار زندگی اور خوش آیند مستقبل کے ضامن نہیں ہو سکتے، اس لئے ظاہری اور باطنی لحاظ سے پریشان حال آدمیوں کی بھیڑ جمع کرنے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی کم ہوں مگر عمدہ تعلیم و تربیت سے آراستہ اور خوشگوار زندگی جیسی نعمت سے بہرہ ور،

یہ دلیل آجکل لوگوں کو بہت اپیل کرتی ہے، لیکن غور کیا جائے تو یہ بھی اپنی پیش رو دلیلوں کی طرح صحیح نہیں؟ اول تو خوشگوار زندگی کا لفظ ہی مبہم ہے، ہر شخص اپنے ذہن میں اس کا ایک علیحدہ مفہوم رکھتا ہے، اور عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ انسان خوشگوار زندگی کا معیار اپنے سے زیادہ خوش حال لوگوں کے جیسا ہو جانے یا اُن سے بھی بڑھ جانے کی بنیاد پر قائم کرتا ہے۔

اس لئے جو شخص خوشگوار زندگی کا طلبگار ہوگا وہ یقیناً یہی فیصلہ کرے گا کہ اس کے ہاں ایک دو بچوں سے زائد اولاد نہ ہو، بلکہ بعض حالات میں تو وہ سرے سے بے اولاد رہنا ہی پسند کرے گا،

اس وقت دنیا میں لاکھوں جوڑے ایسے موجود ہیں جو صرف اس

[۱] ٹائم ویکلی ۱۱ جنوری ۱۹۶۰ء

بنا پر بے اولاد رہنا پسند کرتے ہیں کہ ان کے ذہن میں اولاد کی تعلیم و تربیت، عمدہ معاشرت، اور بہتر مستقبل کا معیار اتنا بلند ہے کہ وہ بحالات موجودہ اس تک پہونچنے پر قادر نہیں، جب اس ذہنیت پر اولاد پیدا کرنے کی بنیاد ہوگی تو کون سوچے گا کہ ملک و قوم کو کس قدر افراد درکار ہیں؟ اور ملی حالات کتنے اشخاص کا تقاضا کرتے ہیں ؟

دوسرے یہ کہ یہ دلیل اصولی لحاظ سے بھی غلط ہے اس لئے کہ کسی قوم کے افراد کا عیش پسند اور راحت طلب ہونا قوموں کی ترقی کے لئے زہر ہے، وہ قوم کتنے دن جی سکتی ہے جس کے افراد نزاکت اور عیش پرستی سے ذرا سی تکلیف نہ برداشت کر سکیں، قوم اور ملک کی ترقی کے لئے ہزار طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں، مصائب سہنے پڑتے ہیں، اور جب قوم ان تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنے کی خوگر نہ رہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے عروج و اقبال کے دن گنے جا چکے ہیں۔

(۴) اسی دلیل سے قریب قریب یہ دلیل ہے کہ ضبط ولادت کے ذریعہ اچھی قسم کی نسلیں پیدا کی جا سکتی ہیں، جن کی صحت اچھی اور قوی مضبوط ہوں اور ان میں کام کرنیکی صلاحیت پائی جاتی ہو، مگر اس خیال کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ جس شخص کے ہاں ایک دو بچے ہوں گے، ذہین طبّاع، تندرست اور توانا ہوں گے اور اگر زیادہ ہوں گے تو سب کے سب بے وقوف، احمق کندۂ ناتراش بیمار اور بیکار ہوں گے ۔۔۔ لیکن کیا اس مفروضے کی تائید میں کوئی عقلی دلیل یا مشاہدہ و تجربہ ہے ؟

یہ چیز تو کلیتہً خدا کے ہاتھ میں ہے۔

ھو الذی یصورکم فی	وہی ہے جو تمھیں بطنِ مادر میں
الارحام کیف یشآء۔	جیسا چاہتا ہے بناتا ہے،

(۵) بعض لوگ کہتے ہیں کہ زیادہ اولاد پیدا کرنے سے عورت کی صحت پر اچھا اثر نہیں پڑتا، اس کا حسن وجمال ختم ہوجاتا ہے اور صحت خراب ہوجاتی ہے،

یہ دلیل بھی قابلِ قبول نہیں، اول تو اس لئے کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ عورت کی صحت پر جو بُرا اثر ضبط تولید سے پڑتا ہے وہ اس مضرت سے کہیں زیادہ ہے جو حد سے زیادہ بچے پیدا کرنے سے رونما ہوسکتی ہے۔

دوسرے اس لئے کہ شرعی حیثیت کے باب میں آپ معلوم کرچکے ہیں کہ اگر بچے پیدا کرنے سے عورت کی صحت خراب ہوجانے کا اندیشہ ہو یا عورت اتنی کمزور ہو کہ دردِ زہ کی تکلیف برداشت نہ کرسکے تو ایسی صورت میں ضبطِ ولادت جائز ہے، یہ صورت اس صورت سے بالکل مختلف ہے جو آجکل ضبطِ ولادت کا داعیہ بنی ہوئی ہے۔ مذکورہ صورت میں انفرادی حیثیت سے ضبطِ ولادت کیا جاتا ہے اور موجودہ تحریک اسے بحیثیتِ مجموعی تمام قوم پر رائج کرنا چاہتی ہے۔

۵۔ نعم البدل

جب حامیانِ ضبطِ ولادت سے یہ کہا جاتا ہے کہ ضبطِ تولید خدا کے نظام ربوبیت میں دخل اندازی ہے، اور خدا ہی تمام موجودات کے رزق کا کفیل ہے تو وہ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ توکل علی اللہ کا صحیح مفہوم یہ نہیں کہ اسباب کو ترک کر دیا جائے اور ہم ضبطِ ولادت کو سبب ہی کا درجہ دیتے ہیں۔

ٹھیک ہے! ہم بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسباب سے قطع نظر نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسباب کو بجا لا کر توکل کرنا چاہیئے لیکن کیا توکل کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جو سبب اختیار کیا جائے وہ شرع، عقل اور تجربہ کے خلاف ہو؟ —— آپ ایک تنگ مکان کی چھت کو اپنے قد کے مطابق بنانے کے لئے اپنی ہی ٹانگیں کیوں کاٹتے ہیں؟ اس کا طریقہ تو یہ ہے کہ سیدھی طرح چھت کو اونچا کیجئے۔

ہم یہاں کئی ایسے اسباب کا ذکر کرتے ہیں جو ضبط ولادت کا نعم البدل بن سکتے ہیں، اور ان سے ان دکھوں کا درماں بہتر انداز میں ممکن ہے جو ضبط ولادت پر ابھار رہا ہے،

۱- طرزِ معاشرت کی اِصلاح

سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ اگر ہم اپنے طرزِ بود و باش کو اسلامی سانچے میں ڈھال لیں تو ضبط ولادت کی ضرورت ہی پیدا نہ ہو، ممکن ہے کہ بعض دور اندیش حضرات میری اس تجویز پر بھی یہ طعنہ دیں کہ یہ ایسی ہی شاعری ہے جیسے ؎

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا
کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

لیکن اگر وہ کچھ مزید دور اندیشی سے کام لیں تو ان پر اس بات کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی

ذرا پہلے ایک نظر ان اسباب پر ڈال لیجئے جن کے تحت اہلِ یورپ برتھ کنٹرول پر مجبور ہوئے،

(۱) جب امریکہ کا برِ اعظم دریافت ہوا اور واسکوڈی گاما نے ہندوستان کا وہ راستہ دریافت کر لیا جو افریقہ کے جنوبی سرے سے ہو کر گزرتا ہے تو یورپ نے تجارتی لحاظ سے بڑی ترقی کی، تاجروں اور سوداگروں کا ایک بڑا طبقہ معرضِ وجود میں آیا، اور جب لوگوں کی توجہ زراعت سے ہٹ کر تجارت کی طرف مبذول ہوئی تو اس کے زیرِ اثر صنعت کو بھی بڑا فروغ حاصل ہوا، بڑے بڑے کارخانے بنے، اور جب بھی کوئی بڑا کارخانہ وجود میں آتا، سیکڑوں کی تعداد میں مزدور طلب کرتا، ادھر گاؤں اور دیہات میں بے شمار لوگ جاگیرداروں کے جور و ستم سے تنگ آچکے تھے،

اس لئے دیہات کی آبادیاں کارخانوں کی مزدوری کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ کر شہروں میں منتقل ہونے لگیں،

ان تمام تبدیلیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ جاگیری نظام نے دم توڑ دیا، اور اس کی جگہ نظام تجاریت (
)
نے لے لی، پھر صنعتوں کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے مشین ایجاد ہوئی اور صنعتی انقلاب رونما ہوا۔

اس انقلاب نے ابتداءً تو یورپ کی خوشحالی کو خوب بڑھایا لیکن انجام کار اس نے بیشمار معاشی مشکلات پیدا کر دیں، زندگی کے لئے جد وجہد بڑھ گئی، مقابلہ سخت ہو گیا، معیار زندگی بلند ہوا۔ ضروریاتِ زندگی میں وسعت ہوئی، اور قیمتیں اسقدر بڑھیں کہ محدود آمدنی رکھنے والوں کیلئے عام معیارِ زندگی کے مطابق زندہ رہنا دوبھر ہو گیا، اس لئے ہر شخص کو یہ فکر دامن گیر ہو گئی کہ کسی طرح اپنی محدود آمدنی کو صرف اپنی ذات پر خرچ کرے اس میں دوسرے شرکاء کو جسقدر ہو سکے گھٹاتے۔

(۲) ان حالات نے عورتوں کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ مرد وعورت کی اس فطری تقسیم کار سے بغاوت کر بیٹھیں کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے، لہٰذا عورتیں بھی تحصیل زر کے لئے میدان میں کود پڑیں، جسکا نتیجہ ایک تو یہ ہوا کہ ان کے لئے بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کا معاملہ فی نفسہ مشکل ہو گیا، دوسرے جب انھیں آزادی ملی اور مردوں کے ساتھ آزادانہ میل جول شروع ہوا تو ان کے اندر ایک عجیب ذہنیت پیدا ہو گئی

جسکے تحت ان میں مردوں کے دوش بدوش ہر کام انجام دینے کا شوق پیدا ہوا، گھر کی خدمت اور بچوں کی پرورش جو ان کا فطری وظیفہ تھا، اس سے نفرت کرنے اور جی چرانے لگیں، ان وجوہ سے ان کی خواہش بھی یہی ہوگئی کہ کسی طرح بچوں کے جنجال سے بچکر ہی رہیں تو بہتر ہے۔

(۳) جب سرمایہ داری کا دور دورہ ہوا تو امیروں اور دولتمندوں نے اپنی لذتِ نفس اور عیش و عشرت کے لئے ایسے ایسے طریقے ایجاد کئے جو نئے ہونیکے ساتھ غریبوں کے لئے مہنگے بھی تھے، ادھر متوسط اور غریب طبقوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی ان پر عمل شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے لئے بہت سے اسبابِ عیش لوازمِ حیات بنکر رہ گئے۔ نتیجتاً معیارِ زندگی اسقدر بلند ہوا کہ ایک متوسط آدمی کے لئے اپنا اور بیوی کا پیٹ پالنا مشکل ہوگیا چہ جائے کہ وہ کھانے پینے والوں میں مزید اضافہ کرے۔

(۴) دہریت اور مادہ پرستی نے لوگوں کے دل سے خدا کا خیال ہی ختم کردیا کہ وہ اس بات پر غور کرتے کہ انھیں رزق دینے والا کوئی اور ہے جو ان کے لئے رزق کا انتظام دور ایسے پوشیدہ مقام سے کرتا رہتا ہے جہانتک عقل و نظر کی رسائی نہیں ہے۔ یہ تھے وہ اسباب جن کی بنا پر اہلِ یورپ نے برتھ کنٹرول کو ضروری سمجھا۔ ان اسباب کا مطالعہ کرکے آپ خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ انھوں نے شروع میں خود ہی غلطی کی کہ اپنے طرزِ معاشرت کو سرمایہ داری، لذت پرستی اور مادیت کی کھوکھلی بنیادوں پر تعمیر کیا، پھر جب آخر کار مشکلات سے دوچار ہوئے تو دوسری حماقت یہ کرڈالی کہ اس طرز معاشرت اور تہذیب و تمدن کو برقرار رکھکر

آبادی کو گھٹانا شروع کر دیا۔

اس تشریح سے غالباً آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ تحدید نسل کوئی فطری تقاضا نہیں، بلکہ چند مخصوص حالات کی بناء پر اہلِ مغرب میں رواج پا گیا، یہی وجہ ہے کہ جب پہلے پہل ۱۷۹۸ء میں مالتھس نے یہ نظریہ پیش کیا تو اہلِ مغرب نے اسکی طرف کوئی توجہ نہ کی، پھر ۱۸۲۲ء میں دوبارہ ایک تحریک اٹھی اور ضبطِ ولادت پر عمل کرا سکے لبدسے شروع ہوا۔ دوسرے آپ اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں کہ اس کے نتائج ان ممالک میں کیا ظاہر ہوئے ؟ اگر یہ کوئی فطری تقاضا ہوتا تو نتیجے میں اچھائیوں کا عنصر غالب رہتا۔

اس لئے اگر کبھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن کی بناء پر غیر فطری عمل ناگزیر نظر آنے لگے تو توالد و تناسل کا فطری سلسلہ قابلِ ترمیم نہیں بلکہ وہ حالات بدل ڈالنے کے قابل ہیں جو ایک غیر فطری عمل کیطرف لے جا رہے ہوں۔

اسلام کے اصول معاشرت

اور اگر اسلام کے اُن مسلّمہ اصولوں پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جاتا تو وہ حالات ہی پیدا نہیں ہو سکتے جن کی بناء پر تحدیدِ نسل کی ضرورت ہو۔

اسلام نے مغربی تمدن کے بالکل برعکس سرمایہ داری کی جڑیں کاٹی ہیں، اس نے سود کو ناجائز قرار دیا، ذخیرہ اندوزی کو بدترین

جرم کہا، جوئے اور سٹے سے روکا، زکوٰۃ، عشر، خراج اور وراثت کے احکام جاری کئے ان تمام احکام نے ان تمام دروازوں کو بند کر دیا جو تحدید نسل کے مذکورہ اسباب میں سے پہلے سبب کی طرف لیجاتے تھے۔

مغرب میں تحدید نسل کا دوسرا داعیہ عورت کا گھر سے نکلنا تھا، اسلام عورت کو وارث بنا کر اور شوہر پر اس کا نفقہ واجب کر کے عورت کے ذہن سے یہ خیال ہی مٹا دیا کہ تجھے بھی کسبِ معاش گھر سے باہر نکلنا ہے، ادھر عورتوں مردوں کے آزادانہ میل جول پر پردے کے ذریعہ بندش قائم کر دی، اور ان تمام اسباب کی بیخ کنی کر دی جنکے تحت عورت پرورشِ اطفال اور امور خانہ داری کے فطری فرائض سے انحراف کر سکتی تھی۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات نے انسانوں کو سادہ طرزِ بود و باش اختیار کرنے کی تلقین کی اور یہی طرز اقتصادی اور طبی لحاظ سے بہت مفید ہے وہ زنا، شراب، رقص و سرود (جو زنا کے قوی ترین محرکات میں سے ہے) کو حرام قرار دیتا ہے، اور بہت سی ایسی لایعنی تفریحات سے روکتا ہے جو خالص لذت پرستی اور عیش طلبی کی پیداوار ہوتی ہیں۔

پھر اس نے نوع انسان کے دوسرے فرزندوں کے ساتھ رحم و کرم اور بھائی چارہ کا برتاؤ کرنا سکھایا، غریبوں، ناداروں کی مدد کی تلقین کی اس نے بتایا کہ ہمسایوں کے حقوق یہ ہیں اور اعزا و اقربا کے یہ۔

ان تمام احکام کے ذریعہ اس نے نفس کی بندگی، عیش پرستی اور خود غرضی کے ان ہلاکت آفریں میدانوں میں قدم رکھنے سے روک دیا۔

جنھوں نے مغربی تہذیب میں تحدید نسل پر لوگوں کو آمادہ بلکہ مجبور کر ڈالا تھا۔

اور سب سے بڑھکر یہ کہ اس نے اس خدا کی یاد دلائی جو سب کا خالق ورزاق ہے، اور جس سے قطع نظر کر کے انسان صرف اپنی کوششوں پر بھروسہ کرنے لگتا ہے، اس نے بتا دیا کہ تمہارا ایک مالک ہے جس نے تمھیں پیدا کیا ہے، اس نے تمھیں بے خبری میں پیدا نہیں کر دیا بلکہ وہ جانتا ہے کہ تم کہاں بستے ہو؟ کیا کھاتے ہو؟ اور اسی طرف تمھیں ایک دن لوٹ کر جانا بھی ہے۔

غرضیکہ اسلام نے اپنے ان حکیمانہ اصولوں کے ذریعہ ان تمام سوراخوں کو بند کر دیا جن سے ضبط ولادت کا کوئی خیال داخل ہو سکتا تھا اور ان تمام اسباب کا خاتمہ کر ڈالا جن کے زیر اثر اہل مغرب ضبط ولادت پر آمادہ ہوئے تھے۔

ان تمام چیزوں کو پیش نظر رکھ کر آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ اگر اسلام کے ان زریں اصولوں پر سو فیصد عمل درآمد کیا جائے تو کیا پھر بھی تحدید نسل کی کوئی ضرورت باقی رہتی ہے؟

۲۔ پیداوار میں اضافہ

آپ کو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ رقبے کے لحاظ سے پاکستان کی آبادی زیادہ نہیں ہے، البتہ موجودہ پیداوار کے لحاظ سے کافی سہی، مزید اضافے کی متحمل نہیں، اور اس کے لئے ہمیں پیداوار بڑھانے کی ہر ممکن کوشش

کرنا چاہیئے۔ جس کی ملک میں بہت گنجائش موجود ہے۔ سب سے پہلے تو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ موجودہ رقبے میں ایسے موثر طریقے سے کاشت کی جائے کہ پیداوار زیادہ حاصل ہو، جسقدر سائنٹی فک طریقے ممکن ہوں انھیں بروئے کار لایا جائے، اگر جاپان کے رقبہ اور تناسب پیداوار کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی نسبت سے بہت زیادہ ہے، یہی حال ہالینڈ میں ہے، وجہ صرف یہ ہے کہ وہاں کاشت کے ترقی یافتہ ذرائع سے استعمال کیا جاتا ہے

اس کے علاوہ ضرورت ہو تو مزید خالی رقبے کو زیر کاشت لایا جاسکتا ہے۔ پاکستان کا غیر مزروعہ رقبہ بیالیس کروڑ تریسٹھ لاکھ تینتالیس ہزار ایکڑ ہے۔ جس کا اکثر حصہ قابل کاشت ہے اور صرف چھ کروڑ اٹھائیس لاکھ سات ہزار ایکڑ زیر کاشت لایا گیا ہے، گویا ابھی تک کل قابل کاشت رقبے کا ۲۵ فیصد حصہ بھی زیر کاشت نہیں آیا، غیر مزروعہ حصوں میں کاشت کر کے پیداوار بہت بڑھائی جا سکتی ہے، پاکستان کے معاشی ماہرین کا خیال بھی یہی ہے کہ اگر ہم تمام ممکنہ وسائل کو بروئے کار لائیں تو پاکستان کی پیداوار کئی آبادی کی ہر ممکن تعداد کے لئے ضروریات زندگی مہیا کر سکتی ہے۔

۳۔ حاصل شدہ وسائل کی حفاظت

پیداوار کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی بڑی اہمیت دینی چاہیئے کہ جسقدر سامان یا غذائی پیداوار

حاصل ہوتی ہے اس کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ بظاہر تو یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اگر اس پر وسیع نظر کے ساتھ غور و فکر کیا جائے تو درحقیقت یہ ایک بہت وسیع اور جامع بات ہے۔ کسی چیز کا بیکار چھوڑ دینا، یا اس کا غلط استعمال ذخیرہ اندوزی سرمایہ داری اسمگلنگ، قمار، یہ تمام چیزیں ضائع کرنیکے مرادف ہیں، اب آپ ان میں سے ایک ایک چیز کو دیکھئے کہ ہم ان پر عمل کر کے ایک زبردست غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں یا نہیں؟

(۱) بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن سے ہم صحیح کام نہیں لیتے اور یونہی چھوڑ ڈالتے ہیں، مثلاً پاکستان (مردان) میں چینی کا اتنا بڑا مِل ہے کہ جو ایشیا کے تمام چینی کے کارخانوں سے فائق ہے، لیکن اس میں گنّوں سے رس نکال کر بقیہ حصّہ بیکار پھینک دیا جاتا ہے حالانکہ وہ بڑی کارآمد چیز ہے، کنیڈا میں ان ہی گنوں سے رس نکالنے کے بعد جو فضلہ بچتا ہے اس سے کاغذ بنایا جاتا ہے اور اس سے بھی جو میل یا برادا بچ رہتا ہے اس سے دوائیں تیار کی جاتی ہیں، اگر ہم اہلِ مغرب سے ضبطِ ولادت کے جدید طریقے سیکھنے کے بجائے یہ تعمیری ہنر سیکھیں تو مرے خیال میں ہمارے شانِ خودی پر کوئی داغ نہیں لگ جائے گا۔

ایک اور مثال سن لیجئے! ہمارے یہاں فصلیں کاٹتے وقت ٹہنیوں کے ساتھ جڑیں بھی اکھاڑ دی جاتی ہیں اور ان کا زیادہ سے

زیادہ مصرف یہ ہوتا ہے کہ جانوروں کو کھلادی جاتی ہیں، حالانکہ اس فعل سے زمین کی زرخیزی میں کمی پڑتی ہے۔ دوسرے تمام ممالک میں یہ جڑیں زمین ہی میں رہنے دی جاتی ہیں، اور اس کی وجہ سے زمین میں قوت رہتی ہے۔

(۲) اس کے علاوہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا غلط استعمال کر کے ہم "کفران نعمت" کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس کو بھی مثال سے سمجھئے، آپ کو معلوم ہو چکا کہ ہمارا کل زیر کاشت رقبہ تقریباً چھ کروڑ اٹھائیس لاکھ ایکڑ ہے، زرعی اعداد و شمار مظہر ہیں کہ اس میں سے ایک لاکھ چورانوے ہزار سات سو اٹھائیس ایکڑ زمین میں صرف تمباکو کی کاشت ہوتی ہے، جس سے بیس کروڑ تئیس لاکھ سات ہزار تین سو پونڈ تمباکو پیدا ہوتا ہے۔

جس ملک میں بھوک، اضافۂ آبادی اور وسائل معاش کی تنگی کا اسقدر رونا رویا جاتا ہو، کیا یہ ظلم نہیں کہ اس ملک کی تقریباً سوا دو لاکھ ایکڑ زمین ایسی اشیاء کی کاشت میں مشغول ہو جو صحت کے لئے تباہ کن ثابت ہو چکی ہیں۔

ان جیسی غیر ضروری بلکہ مضر چیزوں کو سرے سے ختم نہ کیا جائے تو کم از کم ان میں تخفیف تو کی جا سکتی ہے۔

(۳) ذخیرہ اندوزی اور اسمگلنگ کرنے والے ملکی صنعت اور پیداوار کو بیکار کر کے جو عظیم نقصان پہنچاتے ہیں وہ ملک کی خوشحالی کیلئے

تباہ کن ہے، اس میں شک نہیں کہ ملک کے ان غداروں پر قابو پانا ذرا مشکل ہے۔ لیکن اگر ہمیں ملک کو تباہی سے بچانا محبوب ہے تو جتنی جانی اور مالی کوششیں ہم ضبط ولادت کی ترویج پر صرف کر رہے ہیں، اتنی کوشش اگر خلوص کے ساتھ اس پر کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان بدقماشوں کو کیفرِ کردار تک نہ پہنچایا جا سکے۔

ممکن ہے بعض "وسیع النظر" حضرات ان تمام چیزوں کو معمولی اور موضوع سے دور تصور کرتے ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان تمام غلطیوں سے جو نعمتیں چھن جاتی ہیں وہ اپنی جگہ پر ہیں ہی، اس کا اثر مزید یہ بھی ہوتا ہے کہ بقیہ وسائل معاش میں بے برکتی پیدا ہوتی ہے اور جتنی مقدار ضروریات کو پورا کرنے میں کافی ہونا چاہیئے پوری نہیں ہوتی۔

۴۔ وسائلِ معاش کی صحیح تقسیم

چوتھی اہم چیز یہ ہے کہ جو پیداوار حاصل ہوتی ہے اور زمینوں کو خلق خدا میں عدل و انصاف کے ساتھ صحیح طریقے سے تقسیم کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ طاقتور کمزور کا حق اڑا لے، اگر تقسیم میں گڑبڑ ہو تو خواہ پیداوار میں کتنا ہی اضافہ کیوں نہ ہو جائے یا آبادی کتنی ہی گھٹ جائے، ہر صورت میں معاشی تنگی برقرار رہے گی۔

۵۔ رقبہ اور آبادی میں توازن

آپ کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ رقبے کے لحاظ سے پاکستان کی آبادی زیادہ نہیں لیکن ساتھ ہی یہ بات

بھی پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ ملک کے تمام رقبے اور آبادی میں یہ حال نہیں بلکہ ملک کے مختلف حصّوں میں جو رقبے کے لحاظ سے آبادی کا اوسط ہے وہ بہت غیر متوازن ہے، جس کا اندازہ اس سے بآسانی کیا جا سکتا ہے کہ مشرقی پاکستان میں ۸ ر ۷۷ر۷ آدمی فی مربع میل رہتے ہیں اور ریاست بلوچستان میں ایک مربع میل کے اندر صرف ۸ ر ۸ آدمی بستے ہیں۔ اس قسم کا تفاوت ملک کے مختلف حصوں کی آبادی میں پایا جاتا ہے اس تفاوت کو دور کر کے توازن پیدا کرنے کی ضرورت ہے، ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ تمام آبادی کا زور ایک ہی حصّے پر رہے اور دوسرا حصّہ بالکل خالی رہ جائے،

توازن پیدا کرنے کے لئے غیر آباد حصّوں میں کارخانے قایم کئے جائیں، شہر آباد کئے جائیں، اس طرح گنجان آبادی کے علاقوں سے آبادی کا زور ٹوٹ سکتا ہے اور ہر خطہ میں بسنے والے چین او خوشحالی کی زندگی گزار سکتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کام محنت طلب ہے لیکن کیا ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لئے یہ محنت قابلِ برداشت نہیں؟

اگر ان تمام تعمیری اسباب پر عمل کیا جائے تو دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آبادی خواہ کتنی ہی بڑھ جائے، معاشی تنگی پیدا نہیں ہو سکتی۔

یہ تمام اسباب اس لایق ہیں کہ ضبطِ ولادت کے تخریبی

کام کو چھوڑ کر ان کی طرف توجہ دی جائے، ان ہی سے اس تنگی کا مداوا بہت اچھے اسلوب کے ساتھ کیا جا سکتا ہے جو ضبط ولادت پر برانگیختہ کئے ہوئے ہے۔

محمد تقی عثمانی
۱۷ دسمبر سنہ ۱۹۶۰ء

۱۰۷ گارڈن ایسٹ
کراچی ۳